هٰذا بلاغ للناس
ماہنامہ
البلاغ
کراچی
سرپرست
مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم

دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۷ھ
مارچ سنہ ۱۹۶۸ء

کراچی

فی پرچہ ۵۶ پیسے ، سالانہ چھ روپے
ممالک غیر سے ، ایک پونڈ سالانہ
بذریعہ ہوائی ڈاک ۲ پونڈ

ڈاک کا پتہ

"البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴

فون ۔۔۔۔۔۔ ۴۸۱۱۷

ہندوستان میں ترسیل زر کا پتہ

مولانا ظہور الحسن صاحب خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
(بھارت)

محمد تقی عثمانی
استاذ دارالعلوم کراچی

مدیر انتظامی

خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری
ناظم نشر و اشاعت دارالعلوم
کراچی

جلد ۔۔۔۔۔۔ ۱
شمارہ ۔۔۔۔۔۔ ۱۲

ترتیب

ذکر و فکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جشن نزولِ قرآن

حمد و ستائش اس ذات کیلئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور
درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنھوں نے اس جہان میں حق کا بول بالا کیا

تقریباً ہر مذہب و ملت میں اپنے خاص خاص قومی واقعات کی یادگاریں قائم کرنے اور ان کا جشن منانے کا دستور قدیم زمانے سے چلا آتا ہے، اسی تصور پر قومی تہوار بنتے ہیں اور اسی بنیاد پر خوشیاں منائی جاتی ہیں، لیکن اسلام کے سوا دوسرے تمام مذاہب میں ان تمام تہواروں کی مشترک روح خوشی منانے سے آگے کچھ نہیں ہوتی، ہندوؤں کی دیوالی ہو یا یہودیوں کی عیدِ فسح اور عیسائیوں کی کرسمس، ان تمام تہواروں کی ابتدا کسی خاص قومی واقعے سے ہوئی تھی، لیکن اب میلوں ٹھیلوں کے سوا ان کا کوئی اور مصرف نہیں رہا، ان تہواروں کا نام سنتے ہی ذہن میں کچھ کھیل تماشوں کا تصور آتا ہے اور بس! ——— وجہ یہ ہے کہ ان مذاہب نے اپنے مخصوص قومی واقعات کی یادگار منانے کے لئے صرف اس بات کو کافی سمجھ لیا تھا کہ سال میں ایک دن اس واقعے کی خوشی میں کچھ میلے منعقد کئے جائیں، عمارتوں پر چراغاں ہو، راستوں کو پھولوں سے سجایا جائے، اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ عبادت گاہوں میں کچھ مذہبی انداز کے اجتماعات ہوں، اور ان میں اس واقعے کی یاد دلانے کے لئے کچھ تقریریں ہو جائیں۔

ان تمام تقریبات کا اصل مقصد تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان کے ذریعہ وہ خاص واقعہ ذہن میں تازہ ہو، اور اس سے زندگی میں سبق حاصل کیا جائے، لیکن انسان کا نفس بڑا شریر واقع ہوا ہے، اس نے ان تہواروں کی اصل روح کو تو بھلا کر نابود کر دیا، اور صرف وہ چیزیں لیکر بیٹھ گیا جس سے لذت اندوزی، عاقبت کوشی اور عیش پرستی کی راہ کھلتی تھی، ایک کرسمس ہی کو دیکھ لیجئے، ابتداءً یہ دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشی کے طور پر منایا گیا تھا، تمام تقریبات کلیسا کی حد تک محدود تھیں، اور اس میں کچھ مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں، لیکن اس جشن کا سلسلہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا؟ اس کی مختصر داستان جشن و تقریبات کی ایک ماہر مستشرقہ میری ہیز لشائن سے سنئے، وہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ "کرسمس" میں لکھتی ہیں:

کئی صدیوں تک کرسمس خالصۃً ایک کلیسا کا تہوار تھا جسے کچھ مذہبی رسوم ادا کر کے منایا جاتا تھا، لیکن جب

عیسائی مذہب بت پرستوں کے ممالک میں پہنچا تو اس میں "سرمائی نقطۂ انقلاب" کی بہت سی تقریبات شامل ہو گئیں اور اس کا سبب گرگیوری اعظم (اول) کی آزاد خیالی اور اس کے ساتھ مبلغین عیسائیت کا تعاون تھا، اس طرح کرسمس بیک، وقت ایک ایسا تہوار ہو گیا جو بیک وقت مذہبی بھی تھا اور لادینی بھی، اس میں تقدس کا پہلو بھی تھا اور لطف اندوزی کا بھی"

اب کرسمس کس طرح منایا جانے لگا؟ اس کو بیان کرتے ہوئے میری ہیرکلسٹائن لکھتی ہیں۔

"رومی لوگ اپنی عبادت گاہوں اور اپنے گھروں کو سبز جھاڑیوں اور پھولوں سے سجاتے تھے، ڈرائڈس (پرانے زمانے کے پادری) بڑے تزک و احتشام کے ساتھ امربیلیں جمع کرتے اور اسے اپنے گھروں میں لٹکاتے، سیکسن قوم کے لوگ سدابہار پودے استعمال کرتے"

انھوں نے آگے بتایا ہے کہ کس طرح شجر کرسمس (CHRIST MAS TREE) کا رواج چلا، اور قربانی کی عبادت کی جگہ شاہ بلوط کے ایک درخت نے لےلی، مذہبی نظموں کی جگہ عام خوشی کے نغمے آگئے اور:

"موسیقی کرسمس کا ایک عظیم جزء بن گئی"

اس کے بعد مقالہ نگار کے الفاظ ہیں:

گانا بجانا، کھیل کود، رقص، ناٹک بازی اور پریوں کے ڈرامے تقریبات کا حصہ ہو گئے"

(برٹانیکا ص ۶۴۲-اے مقالہ کرسمس طبوعہ ۱۹۵۰ء)

اور اب کرسمس کے موقعہ پر کیا کچھ ہوتا ہے؟ وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے، اس دن شراب نوشی، رقص و سرود اور کھیل تماشوں کے علاوہ قانونی جرائم اور حادثات میں جس قدر سرگرمی دکھلائی جاتی ہے وہ کسی باخبر انسان سے مخفی نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمایئے کہ اس "مقدس جشن" کا آغاز کیا تھا اور انجام کہاں سے کہاں پہنچ گیا؟

انسانی نفس کی یہ تمام چوریاں اسلام کے پیش نظر تھیں، اس لئے اس نے خاص خاص قومی واقعات کی یادگار قائم کرنے کے لئے ان تمام طریقوں سے پرہیز کیا ہے جو ان یادگاروں کی اصل روح کو فنا کر کے انہیں صرف چند ظاہری رسموں اور رسمی خوشیوں تک محدود کر دیں۔ تاریخ اسلام کے چودہ سو سال بیشمار اہم اور سبق آموز واقعات سے مالامال ہیں، اگر ان تمام واقعات کی یادگاریں منائی جائیں تو سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں شاید کوئی دن جشن و تقریبات سے خالی نہ رہے، لیکن عہد صحابہؓ و تابعین میں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ انھوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت جیسے عظیم الشان واقعہ تک کا کوئی دن منایا ہو جو صرف تاریخ اسلام کا نہیں، پوری تاریخ انسانیت کا اہم ترین واقعہ تھا۔

اس کے برخلاف یادگار منانے کے جس طریقے کی اسلام نے تعلیم دی ہے اس میں اصل اہمیت اُس واقعے کی روح کو حاصل ہے جس کی یادگار منائی جارہی ہے۔ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ عزیمت کی یادگار اس طرح منانے کا حکم نہیں دیا کہ کسی خاص دن میں عمارتوں پر چراغاں کر لیا جائے، مکانات اور عبادت گاہوں کو پھولوں کے ہار پہنائے جائیں یا اس کی خوشی میں میلے ٹھیلے منعقد کئے جائیں، اس کے بجائے اس عظیم واقعہ کی یادگار اس طرح منائی گئی کہ "حج" کی عظیم الشان عبادت مسلمانوں پر لازم کر دی گئی جس کے ذریعہ مسلمان اس جہد و عمل کی صبر و استقامت اور ایثار و اخوت کی عملی تربیت حاصل کریں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام

حیات طیبہ کی اصل روح ہے۔

قرآن کریم کا نزول تاریخ انسانیت کا کس قدر انقلابی واقعہ تھا؟ لیکن اس کی یادگار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ نے اس طرح نہیں منائی کہ اس واقعہ کی خوشی میں گھر گھر روشنیاں ہوں، اور پھولوں کی سیج پر بیٹھ کر صرف زبان سے قرآن کریم کے فضائل ومناقب بیان کردیئے جائیں، اس کے بجائے ہجرت مدینہ کے بعد نزول قرآن کی پہلی سالگرہ بدر کے میدان میں باطل کی کمر توڑ کر منائی گئی اور عملاً اس بات کا اعلان کردیا گیا کہ نزولِ قرآن کا جشن منانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نرم وگداز بستروں پر بیٹھکر اس عظیم واقعہ کا تذکرہ کرلیا جائے اور بس! بلکہ نزول قرآن کا حق یہ ہے کہ اس کے پیغام کو گھر گھر پہنچانے اور اس کے بتلائے ہوئے نظام کے مطابق زندگیاں استوار کرنے کے لئے جہد وعمل کے میدان میں قدم بڑھائے جائیں۔ اور اگر اس راہ میں کوئی رکاوٹ ہو تو اس کے دور کرنے کے لئے اپنی جان پر کھیل جانے سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔

قرآن کریم رمضان میں نازل ہوا تھا، اس مہینے میں نزول قرآن کا جشن منانے کا ہمیں حکم دیا گیا، لیکن کھیل تماشوں یا ذکر قرآن کی رسمی محفلوں کے ذریعہ نہیں، بلکہ اس طرح کہ خدا کے احکام کے سامنے اپنی ہر نفسانی خواہش کو کچلنے کی عادت پڑے قرآن کریم خود ارشاد فرماتا ہے۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القراٰن ھدًی للناس وبیّنٰت من الھدٰی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کی کھلی نشانیوں پر مشتمل ہے، لہٰذا تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے وہ اس میں روزہ رکھے"

چنانچہ چودہ سو سال سے نزول قرآن کا یہ جشن دن کو بھوکا پیاسا رہ کر اور رات کو خدا کے حضور سجدہ ریز رہ کر منایا جاتا ہے، جس سے بدی کی نفرت اور نیکیوں کی امنگ پیدا ہوتی ہے، دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر بیدار ہوتی ہے، ذہنی افکار کا رُخ خالق کائنات کی طرف مڑتا ہے اور سینے میں انابت وخشیت کی شمعیں روشن ہوتی ہیں جو قرآن کریم کا اصل پیغام، اس کی حقیقی روح اور اس کے نزول کا بنیادی مقصد ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ۔

ایک یہودی شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ امیر المؤمنین! آپ کی کتاب (قرآن) میں ایک آیت ایسی ہے جسے آپ پڑھتے ہیں، اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنالیتے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کونسی آیت، اس نے کہا: الیوم اکملت لکم دینکم الخ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ یہ آیت کس دن اور کس مقام پر نازل ہوئی، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جمعہ کے دن عرفات کے میدان میں نازل ہوئی تھی" (جمع الفوائد ص ۷۰ ج ۲ مطبوعہ ہند)

صحیح ترمذی میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک یہودی نے اسی قسم کا سوال حضرت ابن عباسؓ سے بھی کیا تھا اس پر انھوں نے جواب دیا کہ "یہ آیت تو دو عیدوں کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے، ایک جمعہ کی عید اور دوسرے عرفہ کی"

ان واقعات پر غور فرمایئے، حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ نے اس آیت کو نازل ہی ایسے موقعہ پر فرمایا ہے کہ اس کے نزول کا جشن ہم بھی منائیں، لیکن ہمارے جشن منانے کا طریقہ یہودیوں کے

جشن سے بالکل مختلف ہو، آپ لوگ جشن مناتے تو خوشی کے کچھ رسمی مظاہرے کرتے، اور ہم جشن مناتے ہیں تو میدان عرفات میں اپنے گناہوں پر روکر، دعا کے لئے ہاتھ پھیلا کر خدا کے حضور میں سجدہ ریز ہوکر اور اس کے ان احکام پر عمل کر کے جن کے اتمام کا اعلان اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔

یہ ہے نزول قرآن کا جشن! اور اہم واقعات کی یادگار منانے کا وہ طریقہ جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے، اگر آپ نے مندرجہ بالا واقعات پر غور فرمایا ہے تو آپ کو اس نتیجے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ قرآن کریم نے اپنے نزول یا دوسرے اہم واقعات کی یادگار منانے کے لئے رسمی مظاہروں کی تعلیم نہیں دی بلکہ اس بات پر زور دیا ہے کہ اس واقعہ کی اصل روح کو سمجھ کر اسے صرف ایک دن کے لئے نہیں، بلکہ تمام عمر کے لئے اپنی عملی زندگی میں اپنایا جائے اپنے اعمال کا احتساب کیا جائے اور حدود اللہ میں جہاں جہاں رخنے پڑے نظر آئیں، انھیں بند کرنے کی فکر کیجائے۔

اس سال قرآن کریم کو نازل ہوئے پورے چودہ سو برس ہو گئے ہیں، اسی مناسبت سے آجکل تقریباً سارے عالم اسلام میں "جشن نزولِ قرآن" منایا جا رہا ہے جس کی تقریبات سال بھر جاری رہیں گی، نزول قرآن کی یاد تازہ کرنے، اور اس کی توقیر و تعظیم کا جذبہ نہایت مبارک ہے، لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم نے جشن اور یادگار منانے کے سلسلہ میں اسلام کے مزاج اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اس کے خصوصی امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھا ہے بھی دوسری اقوام کی دیکھا دیکھی نزول قرآن کا جشن منانے کے لئے وہی بے جان طریقے اختیار کرلئے جو دوسری قومیں اختیار کرتی ہیں۔ ہماری مسرت چراغاں کی حد تک محدود رہی، ہماری محفلیں "نشستند و گفتند و برخاستند" سے آگے نہ بڑھ سکیں، ہمارے جلسے "گفتار" سے "کردار" کی طرف قدم نہ بڑھا سکے، اور اس کے باوجود ہم خوش ہیں کہ ہم نے نزولِ قرآن کا جشن مناکر قرآن کریم کا حق ادا کر دیا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جس قوم نے اپنی انفرادی اجتماعی زندگی میں قرآن کریم کو بالکل خارج از بحث کر رکھا ہو، جو قوم صبح سے لیکر شام تک قرآنی تعلیمات کی مخالفت کرتی ہو، اور جو نہایت برق رفتاری کے ساتھ قرآنی مزاج سے دور اور بہت دور ہوتی جا رہی ہو، اُسے نزول قرآن کے جشن میں چراغاں کرنے کا کیا حق ہے؟ وہ کس بات کی خوشی مناتی ہے؟ کیا اس بات کی کہ وہ چودہ سو سال کی اس مدت میں قرآن سے بہت دور نکل گئی ہے؟

ہاں! اگر جشن کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم سے ہماری دوری کم ہو، ہم اس کی تعلیمات سے قریب آئیں، اس کی تلاوت کرنے، اسے سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے پیغام کو دنیا کی آخری حدود تک پہنچانے کی کوشش کریں تو بلاشبہ یہ نہایت مبارک مقصد ہے، لیکن یہ مقصد اس طرح ہرگز حاصل نہیں ہوگا کہ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کے لئے سر کو جنبش بھی نہ دیں، اپنی کسی غلطی پر شرمسار نہ ہوں، اپنے کسی طرزِ عمل پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہ کریں۔ اور چند ظاہری رسمیں بجالاکر فارغ ہو جائیں کہ نزول قرآن کا حق ادا ہو گیا۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کا راستہ صرف یہ ہے کہ ظاہری رسوم میں الجھنے کے بجائے ہم دل میں احساس فرض کے چراغ روشن کریں پُرنم آنکھوں اور شرمسار دلوں کے ساتھ اپنے حالات کا جائزہ لیں، اپنے ایک ایک فعل پر نظر ثانی کریں۔ قرآن کریم سے بغاوت کے جو ایام جاہلیت ہم نے گذارے ہیں ان سے توبہ کریں، اور یہ عہد کرلیں کہ قرآن کریم کی تعلیمات کو نیک نیتی کے ساتھ سمجھ کر اپنی سیاست و معیشت سے لے کر انفرادی زندگی تک ہر چیز کو قرآن کریم کے احکام کے مطابق بنا سکیں گے، حکام غیر اسلامی قوانین کو بدل کر انھیں

اسلام کے سانچے میں ڈھالیں گے، اور عوام اپنی نجی زندگی میں قرآنی احکام کو عملی طور سے برپا کریں گے۔

اگر جشن نزولِ قرآن "ہم نے اس طرح منایا تو بلاشبہ یہ جشن قابل صد مبارک باد ہے، یہ ہماری زندگی کا نقطۂ انقلاب بن سکتا ہے اور اس سے ہمارے تمام مصائب و آلام کافور ہو سکتے ہیں، لیکن اگر ہماری زندگی پر بدستور بدعملی کی نحوست مسلط رہی، قرآن کریم پہلے کی طرح طاقوں کی زینت بنا رہا، سرکاری محکموں میں وہی فرسودہ اور غیر اسلامی قوانین نافذ رہے، عوام اپنی پرانی ڈگر سے ذرہ برابر نہ ہٹے، ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کا پہیہ بدستور مادے اور نفسانی خواہشات کے گرد گھومتا رہا، اور نزولِ قرآن کا یہ جشن بھی چند ظاہری رسموں پر ختم ہو گیا تو یاد رکھئے کہ قرآن کریم پر اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں ہماری مثال اس ظالم سے مختلف نہ ہوگی جو پہلے کسی شخص کو اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر مار ڈالے، اور جب اس میں زندگی کی ادنیٰ رمق باقی نہ رہے، بڑی دھوم دھام سے اس کا یوم پیدائش منائے، سونے کے تاروں سے اس کی سوانح حیات لکھے، اور اس کی یادگار کے لئے محفلیں اور جلسے منعقد کرے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ یوم آخرت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی امت کے بعض افراد کا شکوہ کریں گے کہ:

یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا

اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا

نزول قرآن کے اس جشن کے موقعہ پر ہمیں خوب اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو ہم میدان حشر میں اپنا آخری سہارا سمجھتے ہیں، اگر اس رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خدا کے حضور ہماری قرآن فراموشی کا شکوہ ہی پیش کیا تو ہمارا ٹھکانا کیا ہوگا؟ وما علینا الا البلاغ!

محمد تقی عثمانی

سخنہائے گفتنی

الحمد للہ! البلاغ کا ایک سال خیر و خوبی کے ساتھ پورا ہو گیا! بہت سے کرم فرما تجدید مودت فرما رہے ہیں تو کئی داغ مفارقت بھی دے رہے ہیں! ہم دونوں کے مشکور ہیں کہ ہماری کوتاہیوں اور خامیوں کو آپ نے خندہ پیشانی سے انگیز کیا!

ہماری گذارش پر جن حضرات نے توجہ فرمائی ۔۔۔ آئندہ کا چندہ عنایت فرما کر ۔۔۔ یا آئندہ کے قطع تعلق کی اطلاع دیکر ۔۔۔ ہم ان کے بھی ممنون ہیں! لیکن جو حضرات ابھی تک خاموش ہیں ان سے گذارش ہے کہ وہ اپنے فیصلے سے ۱۵ ذی الحجہ تک ضرور مطلع فرما دیں!

بار بار کی گذارش کے باوجود بھی بعض حضرات خریداری نمبر نہ لکھ کر ہماری دشواریوں میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں! اس لئے آخری بار عرض ہے کہ ایسے کسی گرامی نامہ پر ہم کوئی توجہ نہ دے سکیں گے! ایک ستم ظریفی مزید ملاحظہ فرمائیے کہ بعض حضرات ختم مدت خریداری والے اطلاعی کارڈ پر پتہ لکھ کر بغیر ٹکٹ لگائے ہم کو بھیج دیتے ہیں اور وہ بیرنگ ہو جاتا ہے! سال بھر کے تعلق کا صلہ بھی خوب ہے وہی کارڈ اگر بھیجنا ضروری ہو تو اس پر سات پیسے کا ٹکٹ لگا کر بھیجئے!

ایک صاحب خیر نے دس خریداروں کے لئے ہمیں رقم عنایت فرمائی ہے، یہ دس رسالے ہم ان یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں کی لائبریریوں کے نام جاری کریں گے جن کی درخواستیں ہمیں پہلے موصول ہوں گی! درخواست صدر شعبہ، پرنسپل، ہیڈ ماسٹر وغیرہ

قرآن اور علم فلکیات

معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

یہ نہایت غلط عامیانہ اور سطحی تصور ہے کہ خلا کے مسافروں نے ستاروں اور سیاروں پر بلکہ بعض لوگوں کی نظر میں آسمانوں پر فتح پالی ہے۔ اس کی حقیقت خود ان لوگوں سے پوچھئے جو خلاء کا سفر کرکے واپس آئے ہیں، ان میں سے امریکن خلانورد جان گلین جو کامیابی کے ساتھ خلا کا سفر کرکے واپس آگیا اس کا ایک بیان یہاں نقل کر دینا اس کے لئے کافی ہے۔ وہ یہ ہے، یہ خلانوردہ ہے جس کی کامیابی پر اس زمانہ کے موافق و مخالف سبھی نے اعتماد کیا ہے اور خلاء میں جو کچھ اس نے دیکھا اور بیان کیا اس کو قابل اعتماد سمجھا ہے۔ اس کا ایک بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ "ریڈرز ڈائجسٹ" میں چھپا ہے ہم اس کا اردو ترجمہ بعینہ اس لئے درج کرتے ہیں کہ یہ خلائی مسافر اپنی حیرانی کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہے جو اسلام کا عقیدہ ہے کہ یہ سب کارخانہ از خود نہیں چل رہا اس کا کوئی چلانے والا ہے جس کے علم و قدرت و حکمت کی کوئی انتہا نہیں مضمون یہ ہے۔

خلائی حقائق

"مجھے خلائی پروگرام کے لئے منتخب کیا گیا اس موقعہ پر مجھے ایک کتابچہ دیا گیا جو خلائی معلومات پر مشتمل تھا اس کتابچے سے ان دو پیراگرافو نے مجھے بیحد متاثر کیا جو کائنات کی وسعت سے متعلق تھا۔

ان تمام معلومات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ جان لیا جائے کہ شعاعی سال کسے کہتے ہیں؟ اور اس سے کیا مراد ہے؟ روشنی ایک سکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی مسافت طے کرتی ہے۔ یعنی ہر سکنڈ میں زمین کے گرد سات چکر۔ اگر روشنی کو ایک سیدھی سافت پر متواتر ایک سال سفر کرتے دیا جائے تو ایسی صورت میں جتنی مسافت طے کریگی اسکو اصطلاحاً شعاعی سال کہتے ہیں۔ یعنی روشنی کی ایک سالہ مسافت

اب ہم کتابچے کے اس ٹکڑے کو نقل کرتے ہیں جس میں کائنات کی وسعت پر روشنی ڈالی گئی ہے ہمارے کہکشانی نظام کا قطر تقریباً ایک لاکھ شعاعی سال کی مسافت کے مساوی ہے۔ اور سورج اس کہکشانی مرکز سے تقریباً تیس ہزار سال روشنی کی مسافت پر واقع ہے اور اپنے محور پر ۲۰۰ ملین سال (۲۰ کروڑ سال) میں چکر لگاتا ہے

اندازہ لگائیے کہ نظام شمسی کے پرے کی کائنات کیلئے کسی بڑے پیمانہ کا تصور کس قدر مشکل اور دشوار ہے، ہمارے اس کہکشانی نظام کی کوئی انتہا نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے پرے دسیوں لاکھ دوسرے کہکشانی نظام ہیں اور بظاہر سب کے سب ایک تخیلی رفتار برابر ایک دوسرے سے ایک خاص تناسب سے حرکت کررہے ہیں وہ کائناتی حدود جو دوربین سے دیکھے جا سکتے ہیں، ایک اندازے کے مطابق ہم سے تمام اطراف وجوانب میں تقریباً ۲۰۰۰ ملین (۲ ارب) شعاعی سال کی مسافت تک ہیں۔

ان اعداد وشمار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کائنات کتنی عریض وسیع ہے۔

اب ہم ان معلومات کا تذکرہ کرتے ہیں جو جوہری ساخت (ATAMIC SLRUCTURE) سے متعلق ہیں جو اہر نظام شمسی اور اس کائنات سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ کچھ برقیے (ELECTRONS) رکھتے ہیں جو ایک مرکز کے چاروں طرف ایک منظم طریقے پر متواتر گھوم رہے ہیں۔

یہی وہ نکتہ ہے جسے ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی کائنات کا یہی نظم وضبط جو ہمارے اردگرد پھیلا ہوا ہے ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرے کی ساخت سے لیکر ایک بڑی سے بڑی چیز تک جسم کا ہم تصور کرسکتے ہیں لاکھوں سال کی روشنی کی مسافت سے بھی بڑے کہکشانی نظام میں، جبکہ یہ تمام مسافتیں مقررہ محوروں سے ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

کیا یہ تمام حقائق اتفاقیہ ہیں؟ کیا سمندر میں جہاز کو چلا کرنے کے لئے پھینکا ہوا سامان اپنی عمارات خود بخود بنانے لگ جاتا ہے؟ میں اس پر یقین نہیں رکھتا یقیناً یہ سب کچھ ایک متعین منصوبہ کے تحت ہے ایسی وہ ایک واحد شئے ہے جو خلا میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز ومحور سے وابستہ رکھتی ہے

اب ہم اپنے منصوبہ "مرکری اسپیڈ" (MERCURYSPEEND) کا ان چیزوں سے موازنہ کریں گے جن کے بارے میں ہم گفتگو کر چکے ہیں۔ ہم مدار میں تقریباً ۱۸ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اوپر جاتے ہیں یعنی ۵ میل فی سکنڈ کے حساب سے یہ ہمارے ارضی معیار کے حساب سے کافی تیز اور انتہائی بلند ہے، اس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔ سائنسی اصطلاحات و پیمانوں میں خدا کی پیمائش ناممکن ہے مذہبی و ایمانی قوت کو نہ دیکھا جاسکتا ہے نہ محسوس کیا جاسکتا ہے، نہ سونگھا جاسکتا ہے اور نہ چھوا جاسکتا ہے یہ ایک ناقابل فہم اور غیر محسوس شئے ہے۔

اپنی انجنی طاقت کے لحاظ سے دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور سواری ہوائی جہاز ہے۔ اور یہ ہوائی برقی رو (AERODYNAMIC) پیدا کرنے والی مشین کا بہترین نمونہ ہے لیکن ایک یقینی اور غیر محسوس قوت کے بغیر اس کا استعمال بھی محدود اور بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ جہاز کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تعین رخ کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کام قطب نما سے لیا جاتا ہے۔ وہ قوت جو قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ہمارے تمام حواس خمسہ کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے، اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کو

ظہور اس رو پر واضح دلالت کرتا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔ ہوا باز کی نشست پر ایک آلہ نصب ہوتا ہے یہی قطب نما ہے، ہمارے روزمرہ کے مشاہدے کی چیز ہے کہ یہ ایک خاص سمت کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور ہمارا یہ یقین ہے کہ وہ طاقت جو قطب نما کو حرکت دے رہی ہے وہ اسے ہمیشہ اسی طرح چلاتی رہے گی۔

ہم سب پرواز کرنے والے ہزاروں مرتبہ اپنی جانوں کو محض اس بنا پر خطرات کی نذر کر چکے ہیں کہ یہ قطب نما ہمیں صحیح اعداد و شمار بتلائے گا اور اس سمت کی طرف صحیح رہنمائی کر سکے گا جس سمت ہم جانا چاہتے ہیں۔

عیسائیت کے اصول و نظریات کی حقیقت بھی ٹھیک یہی کچھ ہے۔ اگر ہم ان کو اپنا رہنما بنائیں گو باوجودیکہ ہمارے حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں لیکن ہم اس رہنما قوت کے نتائج و تاثرات اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی زندگیوں میں کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ جانتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔"

قدیم ماہرین فلکیات وہیئت میں سے تو بہت سے محققین اہل بصیرت نے تمام عمر کی کاوشوں کے بعد کھلے لفظوں میں یہ اقرار کیا ہی تھا کہ ان معاملات میں جو کچھ غور و تحقیق کی گئی اور لکھا گیا وہ سب تخمینی قیاس آرائی سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور یہ میدان اتنا وسیع ہے کہ ہمارے قیاس اور وہم و گمان کی بھی رسائی اس کی انتہا تک نہیں ہو سکتی۔ لیجئے جدید سے جدید ماہر فلکیات جو عام لوگوں کی طرح زمین پر بیٹھ کر آسمان اور ستاروں کی شکلیں نہیں بناتا بلکہ زمین کی کشش سے باہر کی فضا جس کو آجکل خلاء کہا جاتا ہے اس میں پہنچ اور ممکنہ مشاہدات کرنے کے بعد بھی وہی بات کہتا ہے جو پچھلے بوریہ نشین ماہرین فلکیات نے کہی تھی کہ "خلاء اور نجوم کا جو راز کھلتا ہے وہ کسی اپنی تحقیق پر شرح صدر اور یقین بخشنے کے بجائے اور حیرانی اور شکوک بڑھا دیتا ہے۔ زمین سے لاکھوں میل کی بلندی پر پہونچنے اور جدید تر دوربینوں اور جدید آلات کی مدد سے جو معلومات حاصل کی گئی ان میں ستاروں اور سیاروں کا ایسا ناپید اکنار جہان دکھائی دیتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور علم و حکمت کے سامنے انسانی بے بسی اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ اس لئے صحیح اور تحقیقی بات ان معاملات میں وہی ہے جو چوتھی صدی ہجری کے اسلامی فلاسفر ابوریحان بیرونی نے لکھی ہے۔ یہ اسلامی فلاسفر شہاب الدین غوری کے زمانہ میں عرصہ دراز تک ہندوستان میں رہا ہے۔ نجوم و فلکیات اور ہیئت کے علوم کا امام مانا جاتا ہے۔ حال میں روسی ماہرین نے راکٹ وغیرہ کے مسائل میں انھیں کی تحقیقات پر بنیاد رکھی ہے اور اس کا اقرار بھی کیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب "الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ" ایک جرمن ڈاکٹر سی ایڈورڈ سخاو کے حاشیہ کے ساتھ لیزک میں چھپکر حال میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں آلات رصد سے حاصل شدہ نتائج کے غیر یقینی ہونے کے مسئلے کو تمام ماہرین فن کا اجماعی اور متفق علیہ نظریہ بتلایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ان علماء الھیئۃ مجمعون علی ان المقادیر المفروضۃ فی اوائل اعمال رویۃ الھلال ھی ابعاد لم یوقف علیھا الا بالتجربۃ وللمناظر احوال ھندسیۃ بتفاوت لاجلھا المحسوس بالبصر فی العظم والصغر وفیما اذا تأمل متأمل منصف لم یستطع بت الحکم علی وجوب رویۃ الھلال او امتناعھا (الآثار الباقیہ ص ۱۹۶ طبع ۱۹۲۳ء لیزک)

(ترجمہ) علماء ریاضی وہیئت اس پر متفق ہیں کہ رویت ہلال کے عمل میں لانے کے لئے جو مقدار میں فرض کی جاتی ہیں وہ سب ایسی پیمائشیں ہیں جن کو صرف تجربہ ہی سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور مناظر کے احوال مختلف ہوتے ہیں جنکی وجہ سے آنکھوں سے نظر آنے والی چیز کے سائز میں چھوٹے بڑے ہونیکا فرق ہو سکتا ہے۔ اور فضائی فلکی حالات

(بقیہ بر صفحہ ۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

قربانی اور اس کی حقیقت و اہمیت

اردو میں جس چیز کو قربانی کہتے ہیں یہ لفظ اصل میں قربان، بروزن قرآن ہے قربان ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ بنایا جائے خواہ جانور کا ذبیحہ ہو یا عام صدقہ وخیرات۔ اور امام ابوبکر جصاص ؒ نے تو اس سے بھی زیادہ عام معنی یہ بیان فرمائے ہیں کہ ہر نیک عمل جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قربت ہونے کا قصد کیا جائے اس کو قربان کہتے ہیں لیکن عرف عام میں یہ لفظ اکثر جانور کے ذبیحہ کے لئے بولا جاتا ہے، قرآن کریم میں چند جگہ یہ لفظ آیا ہے، اکثر مواقع میں یہی جانور کا ذبیحہ مراد ہے

قربانی کی تاریخ کسی حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کی نیت سے ذبح کرنا اس وقت سے مشروع ہے جب سے آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور دنیا آباد ہوئی سب سے پہلی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل نے دی۔

اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا۔ یعنی جبکہ دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی

(سورۂ مائدہ)

ابن کثیر نے بروایت ابن عباس رضؓ اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی پیش کی۔ اور قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ وغیرہ صدقہ کر کے قربانی پیش کی، حسب دستور آسمان سے آگ نازل ہوئی۔ ہابیل کے مینڈھے کو کھا لیا، اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ قربانی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہچان انبیاء سابقین کے عہد میں یہ تھی کہ جس قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے تو ایک آگ آسمان سے آتی اور اس کو جلا دیتی تھی سورۂ آل عمران میں اس کا ذکر صراحۃً آیا ہے بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُهُ النَّارُ۔ یعنی وہ قربانی جس کو آگ کھا جائے اس زمانہ میں بذریعہ جہاد جو مال غنیمت کفار سے ہاتھ آتا تو اس کو بھی آگ نازل ہو کر کھا جاتی تھی اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ امت محمدیہ پر حق تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہوا کہ قربانی کا گوشت اور مال غنیمت ان کے لئے حلال کر دیئے گئے۔ حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصی فضائل اور انعامات الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ واحلت لی الغنائم یعنی میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ عہد نبوی ؐ کے بعض غیر مسلموں نے اپنے اسلام قبول نہ کرنے کا ایک یہ عذر بھی پیش کیا کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی قربانیوں کو تو آگ کھا جایا کرتی تھی آپ کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا اس لئے ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، جب تک یہ صورت ظاہر نہ ہو۔ سورۂ مائدہ میں ان کے اس عذر لنگ کو بیان کر کے یہ جواب دیا گیا کہ جن انبیاء کے زمانہ میں قربانیوں کو آگ نے کھایا تھا تم انہیں پر کون سا ایمان لائے ہو۔ تم نے تو ان کی بھی تکذیب ہی کی تھی بلکہ ان کے قتل تک سے دریغ نہ کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ تمہارا یہ قول کسی حق طلبی کے مد میں نہیں بلکہ حیلہ

جو ئی کے سوا کچھ نہیں سورۂ آل عمران کی آیات ۱۸۳ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ سے آیت ۱۸۴ تک یہی مضمون مذکور ہے۔ سورۂ مائدہ کی آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جانور کی قربانی سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے عبادت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دی گئی ہے اور سورۂ آل عمران کی آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ قربانی کی قبولیت کا ایک خاص طریقہ کہ آسمانی آگ آکر اس کو جلا دے یہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک تمام انبیاء سابقین کے دور میں معروف رہا۔

قربانی کا ایک عظیم الشان واقعہ سنت ابراہیم علیہ السلام

قربانی کا بحیثیت عبادت کے مشروع ہونا اگرچہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ثابت ہے لیکن اس کی ایک خاص شان حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک واقعہ سے شروع ہوتی ہے اور اسی کی یادگار کی حیثیت سے شریعت محمدیہ میں قربانی کو واجب قرار دیا گیا ہے یہ واقعہ تاریخ عالم کا ایک بے نظیر اور سبق آموز واقعہ ہے قرآن کریم نے اس کو سورۂ صافات میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور اسلام میں مسئلہ قربانی کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے مرکزی نقطہ یہی واقعہ ہے۔

قربانی کی حقیقت

جب یہ معلوم ہو گیا کہ جانوروں کی قربانی جو ہر سال مسلمانوں پر لازم کی گئی ہے وہ ابراہیمی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جانور کی قیمت کا صدقہ کر دینا یا کسی دوسرے نیک کام میں لگا دینا اس فریضہ سے سبکدوش نہیں کر سکتا۔ جیسے روزہ کی جگہ نماز یا نماز کے بدل روزہ کافی نہیں۔ زکوٰۃ کافی نہیں، کوئی شخص اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے تو ایک نماز کا فریضہ اس سے ادا نہیں ہوتا اسی طرح صدقہ وخیرات کتنا ہی کر دے۔ وہ یادگار ابراہیم علیہ السلام کے قیام اور واجب قربانی کی ادائیگی نہیں ہو گی۔

قربانی کا حکم سب مسلمانوں کے لئے عام ہے حجاج کے لئے مخصوص نہیں

خلیل اللٰہی کارناموں میں سے جو چیزیں کسی خاص مقام کے ساتھ مخصوص تھیں وہ تو صرف حجاج پر لازم کی گئیں جو اس مقام پر پہنچ کر انجام دیتے ہیں جیسے منیٰ میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا اور سات چکر لگانا اور جو چیز اس خاص جگہ سے تعلق نہیں رکھتی ہر جگہ کی جا سکتی ہے جیسے جانور کی قربانی اس کو تمام امت کے لئے حکم عام کے ساتھ واجب ولازم قرار دیدیا گیا۔ اور خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ و تابعین اور پوری امت ہر خطے ہر ملک اور ہر جگہ میں اس واجب کی تعمیل کرتے رہے اور اس کو نہ صرف واجبات اسلامی میں سے ایک واجب قرار دیا گیا بلکہ شعائر اسلام میں داخل سمجھا گیا۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ (سورہ حج ۳۶) یعنی قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ کی یادگار بنایا ہے۔ اللہ کی یادگار سے مراد اللہ کے دین کی یادگار ہے، ہاں یہ ظاہر ہے کہ جو قربانی اس خاص مقام میں کی جائے جہاں سے اس کا آغاز ہوا ہے۔ یعنی منیٰ میں وہ زیادہ افضل اور موجب ثواب و برکات ہے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں سو اونٹوں کی قربانی کی جن میں سے ترسٹھ اونٹوں کا نحر بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے کیا باقی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد فرمایا۔ (صحیح مسلم) یہ اتنی بڑی تعداد اسی فضیلت کی وجہ سے کی گئی ورنہ مدینہ طیبہ میں عام عادت دو دنبے ذبح کرنے کی تھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (ترمذی)

بلکہ بعض مرتبہ کسی سفر میں قربانی کے ایام آگئے تو وہاں پر آپ نے قربانی ترک نہیں فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم نے سات آدمیوں کی طرف سے ایک

گائے کی قربانی کی (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دنوں میں اللہ کے نزدیک انسان کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ محبوب نہیں (ترمذی، ابن ماجہ) صحابہ کرام کہتے ہیں کہ ہم مدینہ طیبہ میں اپنی قربانی کو فربہ کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے، اور سب مسلمانوں کو یہی عادت تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الاضحیہ)

مدینہ طیبہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ عید کی نماز کے بعد عید گاہ ہی میں قربانی کرتے تھے تاکہ سب مسلمانوں کو اس حکم شرعی کی اطلاع بھی ہو جائے اور قربانی کے آداب بھی سیکھ لیں۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہو جائے کہ نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذبح وینحر بالمصلی (بخاری) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں ہی قربانی کیا کرتے تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ قرآن کریم میں جو قربانی کا حکم آیا ہے وہ اسی طرح آیا ہے پہلے نماز عید پھر قربانی کی جائے۔ سورۂ کوثر میں ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ یعنی آپ اپنے رب کے لئے نماز ادا کریں پھر قربانی کریں۔ ابن کثیر نے مفسرین صحابہ و تابعین حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ۔ عطاءرضؓ، مجاہدؒ، عکرمہ رضؓ اور حسن رضی اللہ عنہم سے لفظ وانحر کے معنی قربانی کرنے کے بیان کئے ہیں (ابن کثیر) اور حضرت عکرمہ رضؓ، عطاءؒ اور قتادہؒ نے فرمایا کہ صَلِّ لِرَبِّكَ سے مراد نماز عید ہے اور وَانْحَرْ سے مراد قربانی (تفسیر مظہری) خلاصہ یہ ہے کہ اس قرآنی حکم کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر نماز عید و قربانی کو لازم و واجب قرار دیا، خواہ وہ مکہ میں ہوں یا مدینہ میں یا دنیا کے کسی اور مقام میں اور اشارۂ قرآنی کے تحت نماز عید کو مقدم اور قربانی کو اس کے بعد کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ حضرت براءؓ بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عیدالاضحیٰ کے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ کے قبرستان بقیع کی طرف تشریف لے گئے وہاں ایک میدان میں اول نماز عید ادا کی پھر سب لوگوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ آج کے دن ہمارا پہلا کام نماز عید ادا کرنا ہے اس کے بعد قربانی کرنا۔ جس نے اس کے مطابق عمل کیا۔ تو ہمارے طریقہ کے موافق کیا۔ اور جس نے نماز سے پہلے ذبح کر دیا اس کی قربانی نہیں ہوئی بلکہ وہ محض کھانے کا ایک گوشت ہو گیا۔ قربانی اور اس کے ثواب سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ اور اس واقعہ کا بقیع غرقد کے قریب ہونا احکام القرآن جصاص کی روایت میں مذکور ہے۔

قرآن مجید کی آیات مذکورہ اور روایت حدیث اور صحابہ کرام کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ قربانی کا عبادت ہونا تو عہد آدم علیہ السلام سے ثابت ہے۔ مگر عیدالاضحیٰ میں اس کا ضروری اور واجب ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار کے طور پر جاری ہوا۔ اور قرآن و سنت کے نصوص میں اس کو اسلامی واجبات میں ایک اہم واجب قرار دیا جو ہر ملک، ہر خطہ اور ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ہمیشہ مدینہ طیبہ میں بھی قربانی کا فریضہ ادا کیا۔ اس زمانہ کے بعض لوگوں نے جو قربانی کو مکہ معظمہ کے ساتھ مخصوص اور وہ بھی کسی عبادت کے طور پر نہیں بلکہ حجاج کے مہمانی کے طور پر سمجھا ہے وہ نہ صرف قرآن و حدیث سے بلکہ تمام شرائع انبیاء اور ان کی تاریخ سے بالکل ہی ناواقفیت پر مبنی ہے۔

ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر قربانی کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ مکہ میں جمع ہونے والے حجاج کی مہمانی اس سے کی جائے تو پھر اس میں نماز عید سے پہلے اور بعد میں کیا فرق پڑتا ہے۔ اور بارہ تاریخ کی شام کے بعد قربانی ممنوع ہو جانے کا کیا معنی ہوتے ہیں کیا تیرہ تاریخ کو حجاج مکہ میں نہیں رہتے اگر مہمانی اس کا مقصد تھا تو قربانی کے جانوروں کے لئے جو شرائط رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر وغیرہ کے لحاظ سے بیان فرمائی ہیں ان شرائط کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ نیز کیا مہمان کو صرف گوشت کی

کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی۔ اگر مہمانی مقصود ہوتی تو قربانی کے ذریعے گوشت مہیا کرنے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دوسری اشیاء خوردنی جمع کرنے کا وظیفہ عائد کیا جاتا۔ خصوصاً جبکہ مدینہ طیبہ میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ہر سال قربانی کرنا ثابت ہے تو پھر اس کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا اور اس کو اسلام میں ٹھونسنا بہت ہی بڑی جرات رندانہ ہے۔

اقتصادی سوال

جب انسان روحانیت سے غافل ہوکر صرف مادی خواہشات کی بھول بھلیوں میں پڑ جاتا ہے مادہ وصورت ہی اس کا اوڑھنا بچھونا اور علم وہنر کا مقصد بن جاتا ہے۔ اور اللہ جل شانہ کی قدرتِ کاملہ اور اس کا عجیب وغریب نظام اس کی نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے تو اس کو ساری ہی عبادات بے جان رسوم محسوس ہونے لگتی ہیں خصوصاً قربانی کا مسئلہ اس کو ایک اقتصادی مشکل بن کر سامنے آتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ قوم کا اتنا روپیہ جو جانوروں کے ذبیحہ پر ہر سال خرچ ہوجاتا ہے اور تین روز گوشت کھالینے کے سوا اس کا کوئی مفاد نظر نہیں آتا۔ اگر اس سے رفاہی اور قومی کام چلائے جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا، لیکن جس حقیقت شناس کے سامنے قوم کے اخلاق واعمال کی اصلاح اس کا پیٹ پالنے اور اس کی نفسانی لذتوں کو پورا کرنے سے زیادہ مقدم ہے بلکہ وہ بجا طور پر یہ بھی سمجھتا ہے کہ انسان کی روٹی اور پیٹ کا مسئلہ بھی امن وسکون کی ساتھ صحیح طور پر اسی وقت حل ہوسکتا ہے جبکہ انسان انسان بن جائے۔ انسانی اخلاق سے آراستہ ہو ورنہ لوٹ مار، دھوکہ فریب، چوری وجیب تراشی کی وجہ سے کوئی شخص اپنی جگہ مامون ومطمئن نہیں رہے گا۔ چور بازاری کی وجہ سے سامانِ زندگی گراں ہوجائے گا، رشوت کی وجہ سے حقدار کو حق نہ ملے گا، وہ جس طرح قوم کی تعلیم پر خرچ کرنے کو اس کی دوسری ضروریات سے زیادہ اہمیت دے گا اس سے بھی زیادہ اس خرچ کو اہمیت دے گا جس کے ذریعہ انسان کے اخلاق درست ہوں۔ اور مشا

و تجربہ شاہد ہے کہ اخلاق واعمال کی روشنی کے لئے خداتعالیٰ کے خوف اور اس کی رضا جوئی سے بڑھ کر کوئی کامیاب نسخہ نہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ ہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو اپنی خلوتوں میں بھی جرائم سے باز رکھتا ہے، اور قربانی اس جذبہ کے قوی کرنے میں خاص اثر رکھتی ہے، اس لئے قوم کی فلاح وبہبود اس میں نہیں کہ قربانی کو بند کرکے روپیہ بچایا اور جمع کرنے کی نفسانی خواہش کو ہوا دی جائے۔ بلکہ اس کی حقیقی فلاح اس میں ہے کہ قوم میں جذبۂ ایثار وقربانی پیدا کرنے کے لئے اس خرچ کو شوق ورغبت کے ساتھ قبول کیا جائے اس حقیقت کو سمجھ لینے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قربانی کا مقصد گوشت کھانا یا کھلانا ہرگز نہیں، بلکہ ایک حکم شرعی کی تعمیل اور سنتِ ابراہیمی کی یادگار کو تازہ کرکے جذبۂ ایثار وقربانی کی تکمیل ہے، قرآن کریم نے خود اس حقیقت کو اس طرح واضح فرمادیا ہے

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ

یعنی اللہ کے پاس ان قربانیوں کے گوشت یا خون نہیں پہونچتے ہاں تمہارا التقویٰ یعنی جذبۂ اطاعت پہنچتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قربانی کا گوشت پوست کوئی مقصد نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلی امتوں کے لئے تو یہ گوشت حلال بھی نہ تھا اس امت پر خصوصی طور پر حلال کردیا گیا ہے بلکہ اصل مقصد قربانی جذبۂ اطاعت پیدا کرتا ہے۔

قربانی پر دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ تین تاریخوں میں بیک وقت لاکھوں جانور ہلاک ہوجاتے ہیں تو اس کا مضر اثر قومی اقتصادیات پر پڑنا بھی ناگزیر ہے کہ جانور کم ہوجائیں گے اور سال بھر لوگوں کو گوشت ملنے میں مشکلات پیدا ہوجائیں گی لیکن یہ خیالات صرف اس وقت انسان کے ذہن پر مسلط ہوتے ہیں جبکہ وہ خالق کائنات کی قدرت کاملہ اور اس کے نظام محکم کے مشاہدہ سے بالکل غافل ہوجاتا ہے

نظام قدرت پورے عالم میں ہمیشہ سے یہ ہے کہ جب دنیا میں کسی چیز کی ضرورت بڑھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس چیز

. . . . پیداوار بڑھادیتے
ہیں اور جب ضرورت کم ہوجاتی ہے تو پیداوار بھی گھٹ جاتی
ہے جیسے کوئی شخص کنویں کے پانی پر رحم کھاکر اس لئے نکالنا
چھوڑدے کہ کہیں ختم نہ ہوجائے۔ تو اس کے سوت بند ہوجائیں گے
اور کنواں پانی نہ دے گا اور جتنا زیادہ نکالتا چلاجائے گا اتنا
ہی کنوئیں سے پانی زیادہ ملے گا۔ اعداد و شمار کا حساب لگاکر
دیکھیں تو پچھلے زمانہ میں جتنی قربانی کی جاتی تھی اتنی آج نہیں، ہو
جس طرح تمام احکام دین نماز روزہ میں سستی آگئی قربانی کے
مسئلہ میں اس سے زیادہ سستی برتی جاتی ہے۔ اسلام کے قرون
اولیٰ میں قربانی کا عالم یہ تھا کہ ایک ایک آدمی سو سو اونٹ کی
قربانی کرتا تھا۔

خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سو اونٹ
کی قربانی کی اور تریسٹھ کی قربانی کا فریضہ خود اپنے دست مبارک
سے انجام دیا۔ قربانی کی اس فراوانی اور زیادتی کے زمانہ میں کسی
جگہ یہ شکایت نہیں سنی گئی کہ جانور نہیں ملتے یا گراں ملتے ہیں۔

اس زمانہ میں جبکہ نماز روزہ اور دوسری عبادات کی
طرح قربانی میں سخت غفلت برتی جارہی ہے لاکھوں انسان جن کے
ذمہ شرعاً قربانی لازم ہے۔ قربانی نہیں کرتے۔ تو اس وقت جانوروں
کی کمی کو قربانی کا نتیجہ کہنا واقعات کے سراسر خلاف ہوگا، اس زمانہ
میں بھی بہت سے ملک ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی برائے نام ہے
نہ وہاں قربانی ہوتی ہے نہ قربانی کی وجہ سے کوئی جانور کم ہوتا ہو
مگر جانور اور گوشت کی گرانی وہاں ہمارے یہاں سے زیادہ نظر آتی ہے
اور کسی کا ایسا ہی دل چاہے تو ایک سال کسی شہر یا کسی ملک میں
قربانی بند کرکے دیکھ لے کہ قوم کی اقتصادیات میں اس کا کیا خوشگوار
اثر ہوتا ہے اور جانور اور گوشت کی یا دودھ اور گھی کی کتنی ارزانی
ہوجاتی ہے، کوئی مسلم ملک تو انشاء اللہ اس کے تجربہ کرنے کے
لئے بھی تیار نہ ہوگا۔ ہمارا پڑوسی ملک بھارت موجود ہے
جہاں گائے کی حد تک نہ صرف سالانہ قربانی بلکہ روزانہ گوشت
خوری بھی بند ہے۔ لیکن کیا کسی نے دیکھا کہ وہاں کی گلی گلی گائے
پھرتی ہے یا دودھ کی ندیاں بہتی ہیں یا گھی ارزاں ہوگیا ہے۔
مشترکہ ہندوستان میں جبکہ دس کروڑ مسلمان اور انگریزی فوج روز
لاکھوں گائے ذبح کیا کرتے تھے اور سالانہ قربانی بھی ہوتی تھی
گھی اور دودھ کا جو نرخ بھارت میں اس وقت تھا۔ آج شاید
اس سے کچھ گراں تو ہو مگر ارزانی کا کہیں نام نہیں۔

اور قدرت کے دستور کے مطابق ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر
وہاں گائے کا خرچ اسی طرح کم ہوتا چلا گیا تو کچھ عرصہ میں
وہاں گائے کی پیداوار نہ ہونے کے قریب ہوجائے گی۔ اور کیا
یہ مثال سارے جہان کے سامنے نہیں کہ اب سے سو سال پہلے
سارے سفر گھوڑوں پر طے کئے جاتے تھے۔ اور ساری دنیا کی
جنگیں صرف گھوڑوں کے ذریعہ سر کی جاتی تھیں فوج کے لئے
لاتعداد گھوڑے پالے جاتے تھے۔

عصر حاضر میں جب گھوڑوں کی جگہ موٹروں اور ہوائی
جہازوں نے لے لی تو کیا دنیا میں گھوڑے زیادہ اور سستے
ہوگئے، یا ان کی تعداد گھٹ گئی اور قیمت بڑھ گئی۔

یہ قدرت کا کارخانہ اس کا نظام انسانی فہم و ادراک
اور انسانی تجویزوں سے بہت بلند ہے۔ کاش قربانی کی
حقیقت سے ناآشنا مسلمان سوچیں اور غور کریں اور قربانی
کو ایک رسم یا عید کی تفریح کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کی حقیقت
کو سامنے رکھ کر سنت ابراہیمی کے اتباع کے طور پر ادا کریں
تو ایمان و عمل میں قوت اور اخلاص کی برکات کا مشاہدہ
ہونے لگے۔

ہر عبادت میں ثواب کے علاوہ کچھ مخصوص آثار بھی ودیعت
رکھے گئے ہیں جیسے نماز میں تواضع و انکسار زکوٰۃ میں حب مال
سے قلب کی صفائی، روزہ اور حج میں اللہ جل شانہٗ کی
محبت میں ترقی حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح قربانی سے ایمان و اخلاص میں قوت اعمال
شاقہ کے لئے عزم و ہمت پیدا ہوتی ہے۔

احکام عید الاضحیٰ و قربانی

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات میں عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے (ترمذی وابن ماجہ)

قرآن مجید سورۂ والفجر میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے وہ دس راتیں جمہور کے قول میں یہی عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں، خصوصاً نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن اور عرفہ اور عید کی درمیانی رات ان تمام ایام میں بھی خاص فضیلت رکھتے ہیں، عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہے، اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بہت بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیر تشریق

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ،

عرفہ یعنی نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز فرض کے بعد باآواز بلند ایک مرتبہ یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور تنہا پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اسی طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت باآواز بلند تکبیر نہ کہے آہستہ کہے (شامی)

تنبیہ: اس تکبیر کا متوسط بلند آواز سے کہنا ضروری ہے بہت لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں، پڑھتے ہی نہیں، یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

نماز عید

عید الاضحیٰ کے روز یہ چیزیں مسنون ہیں صبح کو سویرے اٹھنا، غسل و مسواک کرنا، پاک صاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا، عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عید گاہ کو جاتے ہوئے تکبیر مذکور الصدر باآواز بلند پڑھنا، نماز عید دو رکعت ہیں مثل دو رکـ
نمازوں کے فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تکـ
تکبیریں زائد ہیں پہلی رکعت میں سبحانک اللّٰھم پڑھنے کے بعد قرأت سـ
پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے، ان زائد تکبیـ
میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا چاہیے پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہا
چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں، دوسری رکعت میں تینو
تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جاویں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں
چلے جائیں، نماز عید کے بعد خطبہ سننا واجب ہے۔

قربانی

قربانی ایک اہم عبادت اور شعائر اسلام میں سے
زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا، مگ
بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے، اسی طرح آج تک بھی دوسر
مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے بتوں کے
نام پر یا مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں، سورۂ انا اعطیناک میں
اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جس طرح نم
اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہوسکتی قربانی بھی اسی کے نام پر ہونا چا
(فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) کا یہی مفہوم ہے، دوسری ایک آیت
میں اسی مفہوم کو دوسرے عنوان سے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْ

(تفسیر ابن کثیر)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بعد ہجرت دس سال مد
طیبہ میں قیام فرمایا، ہر سال برابر قربانی کرتے تھے جس سے معلوم
کہ قربانی صرف مکہ معظمہ کے لئے مخصوص نہیں، ہر شخص پر ہر شہر
بتحقیق شرائط واجب ہے (ترمذی)

اور مسلمانوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے، اسی لئے جمہو
اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے (شامی)

قربانی کس پر واجب ہوتی ہے

قربانی ہر مسلمان عاقل با
مقیم پر واجب ہو
جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا
اس کے حاجات اصلیہ سے زائد موجود ہو یہ مال خواہ سونا چا

یا اس کے زیورات ہوں یا مال تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ (شامی)
قربانی کے معاملہ میں اس مال پر سال بھر گزرنا بھی شرط نہیں بچہ اور مجنون کی ملک میں اگر اتنا مال ہو بھی تو اس پر یا اس کی طرف سے اس کے ولی پر قربانی واجب نہیں، اسی طرح جو شخص شرعی قاعدہ کے موافق مسافر ہو اس پر بھی قربانی لازم نہیں (شامی) مسئلہ جس شخص پر قربانی واجب نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس کی قربانی واجب ہوگئی (شامی)

قربانی کے دن

قربانی کی عبادت صرف تین دن کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے دنوں میں قربانی کی کوئی عبادت نہیں، قربانی کے دن ذی الحجہ کی دسویں گیارہویں اور بارہویں تاریخیں ہیں، ان میں جب چاہے قربانی کر سکتا ہے البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے۔

قربانی کے بدلہ میں صدقہ وخیرات

اگر قربانی کے دن گزر گئے، ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہیں کر سکا تو قربانی کی قیمت فقرا ومساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے، لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا ہمیشہ گناہ رہے گا۔ کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور تعامل صحابہ کرام اس پر شاہد ہیں۔

قربانی کا وقت

جن بستیوں، شہروں میں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے وہاں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے نماز سے پہلے قربانی کردی تو اس کو دوبارہ قربانی لازم ہے، البتہ چھوٹے گاؤں میں جہاں جمعہ وعیدین کی نماز نہیں ہوتی یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں، ایسے ہی اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن نہ ہو سکے تو نماز عید کا وقت گزر جانے کے بعد قربانی درست ہے،

مسئلہ، قربانی رات کو بھی جائز ہے مگر بہتر نہیں (شامی)

قربانی کے جانور

بکرا، دُنبہ، بھیڑ کی ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے۔ ..... گائے، بھینس، بیل، اونٹ، ۷ آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہ ہو۔

مسئلہ: بکرا، بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے، بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا فربہ اور طیار ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ بھی جائز ہے، گائے، بیل، بھینس ۲ سال کی، اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے، ان عمروں سے کم کے جانور قربانی کے لئے کافی نہیں۔

مسئلہ: اگر جانوروں کا فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہے اور ظاہری حالات سے اس کے بیان کی تکذیب نہیں ہوتی اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا بیچ میں سے ٹوٹ گیا ہو اس کی قربانی درست ہے، ہاں سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ پر ہونا لازم ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (شامی)

مسئلہ: خصی (بدھیا) بکرے کی قربانی جائز، بلکہ افضل ہے (شامی)

مسئلہ: اندھے، کانے، لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں، اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں نہ جا سکے اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔

مسئلہ: جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دُم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں (شامی)

مسئلہ: جس جانور کے دانت بالکل نہوں یا اکثر نہ ہوں اسکی قربانی جائز نہیں (شامی ودرمختار)

اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر بالکل نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اس میں کوئی عیب مانع قربانی پیدا ہو گیا تو اگر خریدنے والا غنی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے اور اگر یہ شخص غنی صاحب نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی کرے۔ (در مختار)

قربانی کا مسنون طریقہ

اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے، اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے، مگر ذبح کے وقت وہاں خود بھی حاضر رہنا افضل ہے۔

مسئلہ: قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے سنت ہے کہ جب جانور کو ذبح کرنے کے لئے روبقبلہ لٹائے تو یہ دعا پڑھے۔ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ۔

قربانی کا گوشت

(۱) جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں تو گوشت وزن کرکے تقسیم کیا جائے اندازہ سے تقسیم نہ کریں (۲) افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کرکے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے رکھے ایک حصہ احباب واعزاء میں تقسیم کرے، ایک حصہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرے، اور جس شخص کا عیال زیادہ ہو وہ تمام گوشت خود بھی رکھ سکتا ہے۔

(۳) قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے (۴) ذبح کرنے والے کی اُجرت میں گوشت یا کھال دینا جائز نہیں اجرت علٰحدہ دینی چاہئے۔

قربانی کی کھال

(۱) قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا مثلاً مصلےٰ بنا لیا جائے۔ یا چمڑے کی کوئی چیز ڈول وغیرہ بنوا لیا جائے یہ جائز ہے لیکن اگر اس کو فروخت کیا تو اس کی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں بلکہ صدقہ کرنا اس کا واجب ہے اور قربانی کی کھال کو فروخت کرنا بدون نیت صدقہ کے جائز بھی نہیں (عالمگیری) (۲) قربانی کی کھال کسی کی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں، اسی لئے مسجد کے موذن یا امام وغیرہ کے حق الخدمت کے طور پر ان کو کھال دینا درست نہیں۔

(۳) مدارسِ اسلامیہ کے غریب ونادار طلبا ران کھالوں کا بہترین مصرف ہیں کہ اس میں صدقہ کا ثواب بھی ہے، احیائے علم دین کی خدمت بھی، مگر مدرسین وملازمین کی تنخواہ اس سے دینا جائز نہیں۔

آداب قربانی

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ قربانی کے جانور کو ذبح سے چند روز پہلے کر باندھے اور اس کے کھلانے پلانے کا اہتمام کرے کیونکہ قربانی کی تعظیم کا حکم ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب یعنی جو شخص شعائر اللہ یعنی قربانی کی تعظیم کرے تو دلوں کے تقوی کی علامت ہے۔

مسئلہ: جو جانور قربانی کے لئے مقرر کرلیا اس کا دودھ نکالنا یا بال کاٹنا جائز نہیں اگر دودھ بوجہ ضرورت کے نکالا تو اس کو صدقہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح اگر اس کے بال کاٹے تو ان کا بھی صدقہ کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ قربانی کرنے والا روبقبلہ کھڑا ہو۔

مسئلہ: مستحب ہے کہ ذبح سے پہلے چھری کو خوب تیز کرلے کہ جانور کو تکلیف نہ ہو، ذبح کے بعد جب تک جانور بالکل ٹھنڈا نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی کھال اتارنے یا ٹکڑے کرنے کا کام شروع نہ کرے۔ اور ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرے۔

(یہ سب مسائل بدائع سے لئے گئے ہیں)

الدکتور حب اللہ
ترجمہ و تلخیص: محمد تقی عثمانی

قرآن اور اس کے آداب و شرائط

جامعۃ الازہر مصر کے مشہور عالم اور مجمع البحوث الاسلامیہ کے صدر جناب ڈاکٹر حب اللہ پچھلے دنوں راولپنڈی کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے پاکستان تشریف لائے، ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ کی رات کو مندوبین کے اعزاز میں قرآن کونسل پاکستان کی طرف سے ہوٹل شہرزاد اسلام آباد کے اندر ایک عشائیہ دیا گیا، اس موقعہ پر ڈاکٹر صاحب نے ایک مبسوط تقریر فرمائی جسے میں نے اس مجلس میں ضبط کر لیا تھا۔ فاضل مقرر کی اجازت سے اس تقریر کی اردو تلخیص پیش خدمت ہے (م - ت - ع)

محترم وزیر قانون، معزز علماء اور حاضرین کرام!

مجھے نہایت مسرت ہے کہ مجھے ایک ایسے اجتماع میں شرکت کا موقعہ ملا جو نزول قرآن کے عظیم الشان واقعے کی یاد میں منعقد کیا گیا ہے، مجھے اس موقعہ پر قرآن کریم کے بارے میں کچھ اہم باتیں عرض کرنی ہیں۔

جہاں تک قرآن کریم کی عظمت کا تعلق ہے اس کے بارے میں کسی ذی شعور اور باخبر انسان کو کسی قسم کا کوئی کلام نہیں ہو سکتا، ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ کا معجز کلام ہے جو صرف اپنے مضامین اور مفہوم کے اعتبار سے نہیں بلکہ اپنے الفاظ اور نسق و اسلوب کے اعتبار سے بھی لفظ بہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل ہوا، اور اس نے ظلم و جہالت کی ماری ہوئی دنیا کو ہدایت کا راستہ دکھلایا۔

لیکن مجھے یہاں قرآن فہمی کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہو

ہم سب کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف کو سمجھنا اور ان سے قانونی احکام کو مستنبط کرنا ایک بڑا ہی سخت اور نازک کام ہے جس کے لئے وسیع علم اور دقیقہ رس ذہن کی ضرورت ہے۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ نازل ہوا ہے جس کی نظیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ لہٰذا قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان کو عربی زبان و ادب، صرف و نحو اور بلاغت و بیان پر کامل عبور حاصل ہو، وہ عربی زبان کے مزاج و اسلوب کو جانتا ہو اور اس کے محاورات و استعارات سے کما حقہٗ واقف ہو، ظاہر ہے کہ اس کے بغیر قرآن کریم کی فصیح و بلیغ اور معجزانہ آیات کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

پھر قرآن کو سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کو جان لینا ہی کافی

نہیں بلکہ اس کے لئے خود قرآن کریم کے مجموعی مضامین کا مستحضر ہونا بھی ضروری ہے، آپ نے یہ مقولہ سنا ہوگا کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" یعنی قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے کی خود تفسیر ہوتی ہیں، لہٰذا جب ہم قرآن کی کسی بھی آیت کی تفسیر کریں تو قرآن کریم کی تمام آیات کا مجموعی مفہوم بیک وقت مستحضر ہونا ضروری ہے، تاکہ ہم اس آیت سے کوئی ایسا مفہوم نہ سمجھ بیٹھیں جو دوسری قرآنی آیات کے خلاف ہو۔

پھر بات یہاں ختم نہیں ہوتی، قرآن کریم نے خود اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم محض پیغام رساں نہیں تھے، بلکہ اس پیغام کے شارح اور مفسر بھی تھے، آپ کا فریضۂ منصبی صرف یہ نہیں تھا کہ آپ قرآن کریم لوگوں تک پہنچا دیں، بلکہ اس کے ساتھ آپ کی بعثت کا اصل مقصد یہ تھا کہ آپ قرآن کریم کی تعلیم دیں اور اس کی تشریح و تفسیر فرمائیں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وانزلنا الیک الذکر لتبین
للناس ما نزل الیھم۔

اور ہم نے آپ پر قرآن کریم کو اس لئے
نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے
کھول کھول کر وہ باتیں بیان فرمادیں جو ان کے
لئے نازل کی گئی ہیں۔

نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی بیان کرتے ہوئے تلاوتِ آیات کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

اور وہ (یعنی آنحضرتؐ) ان کو کتاب و حکمت
کی تعلیم دیں۔

اس لئے قرآن کریم کی صحیح تفسیر اس وقت تک نہیں کی جاسکتی جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تشریحات ہمیں معلوم نہ ہوں جنھیں "سنت" کہا جاتا ہے۔ اسی لئے ہمارے اسلاف نے "تفسیر بالماثور" پر زور دیا ہے اور "تفسیر بالرائے" کی ممانعت کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محض اپنی رائے سے قرآن کریم کی کوئی ایسی تفسیر نہ کی جائے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا جمہور صحابہؓ و تابعین کی تفسیر کے خلاف ہو۔

ہمارے اسلاف کا یہ ارشاد نہایت معقول اور درست ہے، اس لئے کہ سنت کی مدد کے بغیر محض عربی دانی کے بل پر قرآن کریم کے حقائق و معارف کو ہرگز صحیح طور سے نہیں سمجھا جا سکتا۔

یہاں میں ایک مثال دیتا ہوں، قرآنِ کریم کی ایک چھوٹی سی سورت ہے۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا! میں سمجھتا ہوں کہ عربی زبان کے بڑے بڑے گرگ بچوں کو ان الفاظ کے معنی معلوم نہیں ہوتے، اور اگر وہ ان الفاظ کو سمجھنے کے لئے لغت کی کتابوں کی طرف رجوع کریں تو بسا اوقات ان میں ایک ایک لفظ کے بیس بیس معنی لکھے ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو متعین کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے، لہٰذا جبتک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعین کی تشریحات کا علم نہ ہو، اس وقت تک اس سے احکام مستنبط کرنے کا اہم کام انجام نہیں دیا جا سکتا۔

یہاں بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قرآن فہمی کو اہلِ علم کے ساتھ مخصوص کر دینا دین پر ایک خاص گروہ کی اجارہ داری (اجارہ داری) قائم کرنا ہے لیکن یہ بات درحقیقت دو چیزوں میں فرق نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

یاد رکھئے کہ ایک چیز ہے دینداری اور اسلامی احکام پر عمل اور دوسری چیز ہے علم دین۔ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں، جو شخص دیندار ہو ضروری نہیں کہ وہ عالم دین بھی ہو، بہت سے اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں جو عالم دین نہ تھے۔ اسی طرح جو شخص عالم دین ہو، ضروری نہیں کہ وہ دیندار بھی ہو، بہت سے علماء ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو علم رکھنے کے باوجود کردار کے اعتبار سے دین پر ٹھیک ٹھیک کاربند نہیں ہوئے۔

جہاں تک دینداری کا تعلق ہے، وہی قرآن کی دعوت ہے اور اس کے لئے کوئی خاص صلاحیت درکار نہیں، ایک اَن پڑھ دیہاتی بھی یہ صفت حاصل کر سکتا ہے، لیکن جہاں تک علم دین کا تعلق

اس کے لئے وہی شرائط ضروری ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین پر کسی کی اجارہ داری قائم ہو گئی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنا مرتبہ پہچانے اور ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھے۔

اس لئے میں آپ کو اور آپ سے پہلے اپنے نفس کو ــــ اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ قرآن کریم کی تفسیر کوئی کھیل نہیں ہے یہ اللہ کی مراد کو معین کرنا ہے، پھر یہ کام نری عقل کے ذریعہ کیسے ہو سکتا ہے؟ درحقیقت اللہ کی مراد وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائیں قرآن کریم وضاحت کے ساتھ فرماتا ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ

اور (آپ) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے یہ تو وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔

اور یہ بڑا عظیم گناہ ہے کہ ہم ان شرائط کی رعایت رکھے بغیر اپنی طرف سے کوئی کتاب لکھیں اور اس کے بارے میں یہ دعویٰ کریں کہ یہ اللہ کی مراد ہے۔

میں محترم وزیر قانون کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس اجتماع کا موقعہ فراہم فرمایا، اس کے ساتھ ہی میں ان سے دو گذارشیں کرنا چاہتا ہوں، ایک تو یہ کہ قرآن کریم کتابت سے زیادہ حافظے کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ حفظ قرآن کی توسیع کے لئے حکومتی پیمانہ پر خاص انتظامات کئے جائیں۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک حق اس کی تبلیغ ہے بعض مسلمان اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ غیر مسلموں تک حق کا پیغام پہنچے، لیکن بعض حکومتیں اس راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ جبشہ (ایتھوپیا) میں ساٹھ لاکھ مسلمان بستے ہیں جو اس بات کے آرزومند ہیں کہ انھیں دینی تعلیمات فراہم کی جائیں، لیکن جب مسلمانوں کی طرف سے ایسے انتظامات کئے جاتے ہیں تو حکومت حبشہ انکار کر دیتی ہے۔

میری آخری گذارش یہ ہے کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت داخلی و خارجی اتحاد ہے، اس لئے اس بات کا پورا اہتمام کیا جانا چاہئے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف آراء جھگڑوں کا سبب نہ بنے۔ اور جب تک اختلاف اسلام کے جوہری امور میں نہ ہو اس کی بنا پر نزاع و جدال برپا نہ ہو۔

آئندہ شمارہ میں!

بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقدہ راولپنڈی کے مندوبین میں سے شیخ منصور المحجوب چیف جسٹس لیبیا ڈاکٹر حب اللہ رئیس البحوث الاسلامیہ مصر اور پروفیسر ابراہیم حسن (انڈونیشیا) وغیرہ کے انٹرویو ملاحظہ فرمائیے

مولانا سید رشید احمد ارشد ایم۔اے
استاذ عربی، جامعہ کراچی

ہندو پاکستان میں علم حدیث

استاذ عربی۔ جامعہ کراچی

خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد سندھ کے سب علاقوں میں علم حدیث کا چرچا شروع ہو گیا اور اس زمانے کے کئی محدثین اور علماء دیبل اور منصورہ میں آباد ہو گئے تھے، چنانچہ تاریخ اور تذکروں میں ان شہروں سے منسوب کئی علماء کے نام ملتے ہیں۔ مشہور راوی حدیث اسرائیل بن موسیٰ البصری ہند و پاکستان میں مقیم رہے۔ نیز سندھ کے پایۂ تخت دیبل (جو کراچی کے قریب آباد تھا) کے رہنے والے کئی علماء حدیث کے نام علماء کے تذکروں میں پائے جاتے ہیں جنھوں نے سندھ کے علاقوں میں علم حدیث کا درس دیا، بعض علماء ایسے تھے جو امام داؤد بن علی الظاہری کے پیرو تھے ان میں سے منصورہ کے قاضی ابو العباس احمد بن محمد المنصوری نے ظاہری مسلک کے مطابق کئی تصانیف تحریر کی ہیں۔ بہر حال تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں سندھ کی عرب حکومت کے عہد میں اسلامی علوم بالخصوص علم حدیث کا کام جاری رہا اور تاریخی کتابوں اور تذکروں میں بہت سے سندھی اور ہندی محدثین کے نام مندرج ہیں۔

جب سندھ کی عرب حکومت کا خاتمہ ہوا اور ہندوستان میں غزنویوں اور غوریوں کی حکومت قائم ہوئی تو عرب ممالک سے براہ راست علماء اور محدثین کی آمد و رفت بند ہو گئی۔ اس کے برخلاف خراسان اور ماوراء النہر کے علماء ایران اور افغانستان کے راستے سے آنے شروع ہوئے۔ یہ لوگ علم حدیث سے ناواقف تھے انھیں معقولات یعنی منطق، فلسفہ، علم کلام، فقہ اور اصولِ فقہ سے دلچسپی تھی۔ اس لئے ہندو پاکستان میں بھی معقولات اور فقہ تک تعلیم محدود ہو گئی اور یہاں کے علماء حدیث کی اعلیٰ تعلیم کو غیر ضروری سمجھنے لگے۔ بلکہ اس فن میں ان کی انتہائی معراج مشارق الانوار اور مشکوٰۃ المصابیح کی تعلیم ہوتی تھی اور یہ تعلیم بھی محض برکت حاصل کرنے کے لئے ہوتی تھی۔ اس کا مقصد مسائل کا استنباط اور فقہی مسائل کا اثبات نہ ہوتا تھا۔

. . . .

نویں اور دسویں صدی ہجری میں حجاز کے بعض علماء کی گجرات اور احمد آباد میں آمد و رفت ہونے لگی وہ بعض علم دوست بادشاہوں کی قدر دانی کی وجہ سے وہاں مقیم ہو گئے۔ اس لئے گجرات اور احمد آباد کے علاقہ میں کسی قدر حدیث کا چرچا رہا اور احمد آباد و گجرات تعلیم حدیث کا مرکز بن گئے۔

سندھ اور ہند کے بعض علماء بھی حجاز جا کر علم حدیث حاصل کرتے تھے۔ اس قسم کے سندھی علماء میں شیخ عبد اللہ سندھی اور شیخ رحمت اللہ سندھی بھی تھے جو حجاز سے واپس آکر گجرات میں طویل عرصہ تک حدیث کی تعلیم دینے میں مشغول رہے۔ بعد ازاں وہ دونوں علماء دوبارہ حجاز چلے گئے تھے۔ مانڈو (وسط ہند) کے علاقے کے کئی علماء بھی علم حدیث کے ماہر تھے۔

امام صغانی

امام صغانی (مشارق الانوار کے مصنف) رضی الدین حسن بن محمد لاہوری، ہند و پاکستان میں علم حدیث کے سب سے قدیم محدث تھے۔ جن کی حدیث کی کتاب

مشارق الانوار نہ صرف ہندو پاکستان کی مقبول درسی کتاب رہی بلکہ دیگر بلاد اسلامیہ میں بھی بہت مقبول ہوئی۔ امام صغانی نہ صرف حدیث کے بہت بڑے ماہر تھے بلکہ عربی لغت میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ آخر زمانہ میں وہ "العباب الزاخر" کے نام سے بیس جلدوں میں ایک بہت بڑی لغت تالیف کر رہے تھے کہ ان کا ۶۵۰ھ میں انتقال ہو گیا۔

مشارق الانوار کے علاوہ امام صغانی نے علم حدیث میں یہ دو کتابیں بھی تحریر کیں "مصباح الدجیٰ فی حدیث المصطفیٰ۔ الشمس المنیرہ۔ ان کے علاوہ آپ نے امام بخاری کی صحیح بخاری کی شرح بھی لکھی تھی۔

شیخ علی متقی

—— امام صغانی کے بعد گجرات علم حدیث کا مرکز رہا۔ اس مرکز سے ایسے صاحب تصانیف محدثین پیدا ہوئے جن کی تصانیف آج تک قابل قدر سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے شیخ علاؤ الدین علی بن حسام الدین المتقی گجراتی اور ان کے تلمیذ خاص محمد بن طاہر پٹنی صاحب "مجمع البحار" کے اسماء گرامی بہت مشہور ہیں۔ شیخ علی متقی کی کتاب کنز العمال میں علامہ سیوطی کی کتاب جمع الجوامع کی احادیث کو صحیح ترتیب کے مطابق آٹھ جلدوں میں جمع کیا گیا۔ ان میں کتاب جامع الاصول کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے، انھوں نے منہج العمال فی سنن الاقوال" کے نام سے بھی حدیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس میں سیوطی کے مجموعۂ حدیث "الجامع الصغیر" کو نئے انداز سے مرتب کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر مختلف موضوعات پر بھی آپ نے احادیث کے مجموعے مرتب کئے تھے۔ آپ کی وفات مکہ معظمہ میں ۹۷۵ھ میں ہوئی۔ آپ ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔ اور وہیں علم حدیث کے درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ محمد طاہر پٹنی

—— شیخ محمد طاہر پٹنی جو شیخ علی متقی کے تلمیذ خاص تھے۔ اپنے استاد کے برعکس اپنے علمی فیض سے اہل ہند کو مستفیض کرتے رہے۔ علم حدیث کے بارے میں ان کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ وہ اسماء الرجال اور دیگر علوم حدیث پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے حدیث کے مشکل کی تشریح میں مجمع البحار جیسی کتاب لکھی۔ نیز المغنی فی اسماء الرجال والتذکرۃ فی الموضوعات بھی ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ شیخ موصوف کی وفات ۹۸۶ھ میں ہوئی۔

شیخ عبدالاول

—— شیخ عبدالاول بن علی بن علاء بھی ہندو پاکستان کے مشہور محدث تھے۔ ان سے اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے علم حدیث حاصل کیا اور وہ خود بھی مستند محدث تھے۔ اپنے جد امجد علاء الدین حسینی کے واسطے سے ان کا سلسلہ اسناد محمد بن محمد الشافعی الجزری تک پہنچتا ہے۔ اور آگے چل کر یہ سلسلہ صحاح ستہ کے مصنفین سے جا ملتا ہے۔ ان کی وفات ۹۶۸ھ میں ہوئی۔ ان کے شاگردوں میں شیخ طاہر بن یوسف سندھی کا نام ممتاز ہے۔ انھوں نے شہر برہان پور میں عرصہ دراز تک حدیث کا درس دیا۔ اور علماء کی ایک بڑی جماعت ان سے مستفیض ہوئی۔ ان کی وفات ۱۰۰۴ھ میں ہوئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

—— شمالی ہند میں علم حدیث کا چرچا بہت کم تھا۔ بالخصوص ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی میں بہت عرصے سے کوئی نامور محدث پیدا نہیں ہوا تھا لہٰذا یہ سعادت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حصے میں آئی کہ انھوں نے ہندوستان سے مکہ معظمہ جا کر علم حدیث کو حاصل کیا اور وہاں سے واپس آ کر ہند کے پایۂ تخت دہلی میں علم حدیث کا درس جاری کیا۔ ان کی اس خصوصیت کی وجہ سے عام طور پر یہ مشہور ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہندو پاکستان کے سب سے پہلے محدث ہیں اور صرف انھوں نے سب سے پہلے علم حدیث کے درس کو جاری کیا۔ مگر یہ بات غلط ہے، ان سے پہلے سندھ، گجرات، ملتان، برہان پور اور دیگر شہروں میں بہت سے ہندی محدثین حدیث کا درس دیتے رہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ انھوں نے شمالی ہند اور بالخصوص دہلی میں درس حدیث کا احیا کیا۔ اور یہ چشمۂ فیض اس طرح جاری ہوا کہ پھر کبھی خشک

ہوا۔ ان کے بعد کے زمانہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے درس وتدریس کے علاوہ علم حدیث میں قابل قدر کتابیں لکھیں۔ بالخصوص فارسی زبان میں جو اہل ہند کی علمی زبان تھی علم حدیث کی کتابوں میں قابل قدر اضافہ کیا۔ چنانچہ فارسی زبان میں "اشعۃ اللمعات" کے عنوان سے چار جلدوں میں "مشکوٰۃ المصابیح" کی شرح لکھی۔ اس کی زبان نہایت سہل اور فصیح وبلیغ تھی۔ اس میں مشکل الفاظ کی تشریح نہایت خوبی کے ساتھ کی گئی تھی۔ آپ نے سفر السعادۃ کی شرح بھی فارسی زبان میں لکھی۔ آپ نے عربی زبان میں بھی لمعات التنقیح کے عنوان سے مشکوٰۃ کی قابل قدر شرح لکھی ہے۔ شیخ موصوف علم حدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی ماہر تھے۔ اس لئے کئی علوم میں ان کی کئی تصانیف پائی جاتی ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۵۲ھ میں ہوئی

آپ کے بعد آپ کی اولاد میں سے بھی کئی باکمال محدث پیدا ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے مفتی نور الحق بھی بہت بڑے محدث تھے۔ انھوں نے تیسیر القاری کے عنوان سے فارسی زبان میں صحیح بخاری کی شرح لکھی۔ ان کی وفات ۱۰۷۳ھ میں ہوئی۔

دیگر محدثین — حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی بھی بہت بڑے محدث تھے۔ نہ صرف آپ نے حدیث کی خدمت کی بلکہ آپ کی اولاد اور ان کی نسل بھی خدمت حدیث میں مشغول رہی۔ اور انھوں نے صحاح ستہ میں سے بعض کتابوں کی شروح لکھیں۔

شیخ محمد افضل — سیالکوٹی بھی نامور محدث تھے۔ انھوں نے حجاز اور ہند کے محدثین سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ حجاز سے واپس آکر آپ علم حدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کے درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ — آپ اس خطہ کے واحد عالم تھے جن میں مجتہدانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ آپ نے بدعات اور کورانہ تقلید کا خاتمہ کیا۔ اور ہندوستان کے علماء کو کتاب وسنت سے شرعی احکام مستنبط کرنے کا طریقہ سکھلایا۔ آپ نے مؤطا امام مالک کی شرح لکھی۔ اور اہل علم پر مؤطا کی اہمیت کو واضح کیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے عربی زبان میں مؤطا کی ایک مختصر شرح "المسوّیٰ" کے عنوان سے لکھی۔ اور ایک شرح المصفّٰی کے نام سے فارسی زبان میں دو جلدوں میں لکھی۔ یہ شرح نہایت محققانہ اور مجتہدانہ انداز پر تحریر کی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے چاروں صاحبزادوں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی کے ذریعے درس حدیث جاری رہا۔ ان حضرات کے علمی فیض سے نہ صرف ہند وپاکستان کا گوشہ گوشہ مستفید ہوا بلکہ افغانستان وترکستان کے اہل علم بھی مستفیض ہوئے۔ تعلیمی اور دینی خدمات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ ان حضرات نے تحریری سرمایہ بھی یادگار چھوڑا ہے۔ ان کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید کی علمی وعملی اسلامی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین لکھ کر محدثین اور ان کی کتابوں کو زندہ کیا۔ آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاق آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے انھوں نے بھی اپنے درس حدیث سے بے شمار شائقین علم کو فائدہ پہنچایا۔

مولانا احمد علی — حضرت شاہ محمد اسحاق سے مولانا احمد علی سہارنپوری نے استفادہ کیا۔ انھوں نے صحیح بخاری کے نسخے کی تصحیح کرکے ان پر حواشی لکھے۔ اور اسے زیور طبع سے آراستہ کیا اور اس طرح اہل علم کے سامنے بخاری کا صحیح نسخہ پیش کیا۔ انھیں یہ فخر بھی حاصل ہے کہ محدثین دیوبند نے ان سے اکتساب علم کیا اور مدرسہ دیوبند وہ علمی مرکز ہے جس کے چشمۂ فیض سے لاکھوں طالبین علم حدیث سیراب ہوئے۔

محدثین دیوبند — دیوبند کے محدثین میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں مولانا رشید احمد گنگوہی نے علم حدیث کی تحصیل شیخ عبدالغنی دہلوی مہاجر مکی سے کی اور وہ تیس سال تک علم حدیث کا درس دیتے رہے

آپ ایک سال میں صحاح ستہ کا نہایت تحقیق وجاں فشانی کے ساتھ درس مکمل دیتے تھے۔ مولانا عبد الحئی فرنگی محلی لکھنوی بھی کثیر التصانیف عالم ومحدث تھے۔ آپ نے مؤطا امام محمد پر حواشی تحریر کئے۔ اور احادیث کے ذریعے حنفی مسلک کو ثابت کیا۔

فرقۂ اہل حدیث ——— آخری زمانے میں حدیث کی تدریس واشاعت سے ہندوستان میں اہل حدیث کا ایک فرقہ پیدا ہوگیا تھا، جو ائمہ کی تقلید کی مخالفت کرتا تھا۔ اس کی وجہ سے حنفی علماء میں بھی کتب حدیث کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور وہ فقہی مسائل کو احادیث کی روشنی میں ثابت کرنے پر متوجہ ہوئے۔ اس طرح اس فرقے کا وجود علم حدیث کی ترقی کا باعث بنا۔ اس جماعت کے مشہور محدثین میں مولانا نذیر حسین دہلوی اور نواب صدیق حسن خاں قنوجی زیادہ مشہور ہیں۔ مولانا نذیر حسین کے درس حدیث سے مختلف طبقوں کے اہل علم نے فائدہ اٹھایا اور نواب صدیق الحسن خاں نے کتب احادیث کو چھپوا کر علم حدیث کی اشاعت کی۔ انہوں نے علم حدیث پر بے شمار کتابیں اور مسائل بھی تحریر کئے۔ نواب صدیق حسن خاں قنوجی کا نکاح بیگم بھوپال سے ہوگیا تھا۔ اس لئے انھیں نہ صرف خدمت حدیث کا زیادہ موقع ملا۔ بلکہ دیگر علوم میں بھی انھوں نے اپنے معاونین کی مدد سے کتابیں شائع کیں۔ چونکہ وہ اپنے مسلک میں زیادہ سخت تھے اس لئے ان کے اختلافی مسائل کی تردید میں مولانا عبد الحئی فرنگی محلی نے مختلف رسائل تحریر کئے۔ اس طرح جماعت اہل حدیث سے مباحثہ اور مناظرہ کرنے کے لئے حنفی علماء نے بھی کتب احادیث کا خوب مطالعہ کیا اور احادیث کے ذریعے حنفی مسلک کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔

آخری زمانہ میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی دہلی میں درسگاہ علم حدیث کا مرکز بنی رہی۔ نہ صرف اطراف ہند کے طالبان علم اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے تھے۔ بلکہ افغانستان اور ترکستان کے طلباء بھی دور دراز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد یہاں فیض یاب ہوتے تھے۔

دار العلوم دیوبند ——— ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اس مدرسہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اور انگریزوں کے برسر اقتدار ہونے کی وجہ سے دیگر قدیم درسگاہیں بھی معرض زوال میں آگئیں۔ تاہم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہی کی کوششوں سے دار العلوم دیوبند کی داغ بیل پڑی۔ یہ دار العلوم ولی اللہی مدرسہ فکر کا صحیح جانشین ثابت ہوا۔ انگریزوں کے زمانے میں جبکہ حق وصداقت کی آواز کو دبایا جا رہا تھا۔ اور اسلامی علوم کی تعلیم کس مپرسی کے عالم میں تھی، اس وقت یہ دار العلوم علوم حدیث وعلوم اسلامیہ کی شمع کو روشن کرتا رہا۔ سنت نبوی کا احیاء کرنا اور بدعت وضلالت کے خلاف جہاد کرنا دیوبندی علماء کی خصوصیت رہی۔ نیز ملکی آزادی کے لئے بھی علماء دیوبند نے قابل قدر کارنامے سر انجام دیئے۔ مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا محمد انور شاہ کشمیری بہت بڑے محدث تھے۔ آجکل ان کے شاگرد رشید مولانا محمد یوسف بنوریؒ ان کے علمی خزانے کو معارف السنن کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں۔ ہند وپاکستان کے محدثین کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ علوم حدیث میں نیا اضافہ کریں۔ بلکہ متاخرین کے دور میں بھی حدیث میں اضافہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ متقدمین تمام صحیح احادیث کو تلاش کر کے کتابی صورت میں جمع کر چکے تھے۔ بعض محدثین کو صحاح کی احادیث کے علاوہ جو احادیث دستیاب ہوئیں انھیں بھی وہ اپنے مجموعہ میں مرتب کر چکے تھے۔ اس کے بعد صحیح ترتیب وتہذیب ہوئی۔ اس لئے ہند وپاکستان کے محدثین کے ذمہ یہ کام باقی تھا کہ وہ حدیث کی تعلیم کو گوشے گوشے میں پھیلائیں۔ مشہور کتب احادیث کا درس دیں تاکہ یہاں کے لوگوں کو حدیث کی صحیح اہمیت کا پتہ چلے اور اس مقصد کے لئے مشہور کتب حدیث پر شروح وحواشی تحریر کریں۔ یا ان کے تراجم شائع کریں۔

اردو تراجم ——— زمانۂ قدیم میں صحاح ستہ اور دیگر مشہور کتابوں پر حواشی لکھے گئے تھے۔ اور بعض کتابوں کی فارسی میں

ح بھی لکھی گئی تھیں۔ موجودہ زمانہ میں فارسی کی جگہ اردو
اصل کرلی ہے۔ اس لئے اب کتب احادیث کے اردو تراجم
ع کئے جارہے ہیں۔ اور ہندوستانی علماء کی بعض قدیم شرح
ں زیور طبع سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ ایک زمانہ ہوا جبکہ مولوی
الزماں لکھنوی نے بعض کتب احادیث کا اردو میں ترجمہ
تھا۔ اور حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح میں ایک ضخیم لغت
لکھی تھی، ان کے زمانے میں ان کی کتابوں کی اشاعت زیادہ
یں ہوئی تھی۔ اس لئے ان کی یہ کتابیں ناپید ہوگئی تھیں
جودہ دور میں عوام اور اہل علم میں اسلامی علوم کے مطالعے
شوق پیدا ہوگیا ہے، اس لئے نہ صرف مترجم موصوف کی
تابیں دوبارہ شائع ہورہی ہیں۔ بلکہ جدید تراجم بھی شائع ہورہے

ہیں۔ اور بعض غیر مطبوعہ کتب احادیث کو بھی طبع کرایا جارہا ہے۔[۵۱]

پاکستان میں مدارس عربیہ کی کافی تعداد ہے اور بعض تعلیمی مدارس میں بلند پایہ محدثین علم حدیث کی تعلیم وتدریس میں مشغول ہیں جن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی) اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے صحیح مسلم کی عربی میں شرح تحریر فرماکر ایک ممتاز مقام حاصل کیا ہے، اس طرح دیگر مقامات میں بھی علماء کرام حدیث شریف کی تعلیم وتدریس میں مشغول ہیں۔

---

۵۱ ہندو پاکستان کے علماء کی کتب احادیث کی مفصل توضیح کے لئے ملاحظہ ہو "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" از مولوی عبدالحی حسنی ص ۱۳۵ و ص ۱۶۱ مطبوعہ المجمع العلمی دمشق، نیز اہل حدیث کی خدمات حدیث" (انگریزی) شائع کردہ ۔۔۔

۵ آپ کی تصنیف اعلاء السنن جو اٹھارہ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے اور جس میں فقہ حنفی کے لئے محدثانہ شان کے ساتھ مستدل احادیث کو جمع کیا گیا ہے، وہ خدمت حدیث کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ عثمانی

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں ہیں جن
لے اَلسّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کا خطاب آیا تھا۔ حضرت سے
کے مسلمان صرف پانچ ہیں، حضرت چھٹے نمبر پر ایمان لائے تھے.
رت سَادِسُ الْاِسْلَام کہلاتے ہیں۔ حضرت نے اسلام کی خاطر
ں بڑی اذیتیں برداشت کی تھیں۔ حضرت ایک مشرک عورت
منار کے غلام تھے۔ حضرت کو کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں
جاتا اور کبھی ننگی پیٹھ کرکے انگاروں پر، اور پھر اوپر بھاری پتھر
یا جاتا۔ اُم انمار تپتے لوہے سے حضرت کا سر بھی داغا کرتی تھی،
یا مجال جو ایمان نے ذرا لغزش کھائی ہو۔ اس وقت کے تمام
سلمانوں کا ایمان ایسا تھا۔ قومیں اُبھرتی اور بڑھتی اسی شان
یمان سے ہیں۔ یہی وہ ایمان ہے جس کے لئے علامہ اقبال علیہ
نے یقین محکم کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت خبابؓ
ٹھ دیکھی اور فرمایا کہ میری نظر سے ایسی پیٹھ نہیں گذری۔ حضرت
ؓ نے بتایا کہ آگ پر اتنی دیر لٹایا جاتا تھا کہ پیٹھ کی چربی بہہ
تھی اور اس قدر بہتی تھی کہ اس سے آگ بجھ جاتی تھی۔

حضرت خبابؓ جیسے ایمان والے برگزیدہ بزرگ کا ایک
سُنانا چاہتا ہوں جو انھوں نے موت کے وقت کہا تھا۔
ابی اُن کی عیادت کرنے تشریف لائے اور کہنے لگے۔ "ابو
شر! خوش ہو جیے کہ آپ کل اپنے ساتھیوں سے جا ملیں گے
د اللہ حضرت خبابؓ کی کنیت ہے۔ حضرت خبابؓ نے فرمایا
! تم نے کن کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ مسلمانوں کی مالی حالت درست
ہونے سے پہلے وفات پا گئے تھے اور میں ان کے بعد بہت
عرصے زندہ رہا اور دنیوی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوا۔ مجھے ڈر
ہے کہ یہی نعمتیں کہیں میری پچھلی اذیتوں کا بدلہ نہ قرار دیدی جائیں۔

حضرت خبابؓ نے جب انتقال کیا ہے تو پوری قوم مالامال
تھی۔ اور پوری قوم ایک سی زندگی بسر کر رہی تھی، یہ نہیں تھا کہ کوئی
کروڑپتی ہے اور کوئی پیسے پیسے کو ترستا ہے۔ جو معیار زندگی
امیرالمومنین کا تھا، اُس سے بڑھ کر ہر مومن کا تھا، لیکن حضرت
پھر بھی خائف تھے کہ میری پچھلی اذیتوں کا بدلہ کہیں یہی نعمتیں نہ
قرار دیدی جائیں۔

دولتمندی کے متعلق اسی قسم کا تصور تھا جس نے ساری قوم کو
دولتمند بنا دیا تھا۔ کوئی مسلمان روپے سے محبت نہیں کرتا تھا
اور دولت کی تقسیم اتنی صحیح رہتی تھی کہ آجکل کا کمیونزم اس کا جواب
نہیں ہوسکتا۔

جو کام پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس کا نتیجہ اچھا نکلتا
ہے اور پھل لاتا ہے۔ کبھی کبھار کی دھواں دھار بارش وہ اثر نہیں
دکھاتی جو روزانہ ٹپکنے والے قطرے دکھا دیتے ہیں۔ بارش کا پانی بہہ
جاتا ہے اور قطرے پتھر کا سینہ چیر ڈالتے ہیں۔ حضور سرور کائنات
صلے اللہ علیہ وسلم دن رات نمازیں نہیں پڑھتے رہتے تھے اور بارہ
مہینے روزے نہیں رکھتے تھے لیکن جتنی عبادت کرتے تھے پابندی
سے کرتے تھے۔ حضور صلعم جو کام بھی اختیار فرما لیتے تھے اُسے پھر
چھوڑتے نہیں تھے۔ حضورؐ کے ہر کام میں استقلال تھا۔

(ک)س کام کا جو وقت مقرر کر لیا جاتا تھا اُسے اسی وقت کیا جاتا تھا (ح)ضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ حضور (صلعم) نے دن رات (ک)ے تین حصے کر رکھے تھے۔ ایک حصہ خالص اللہ کے لئے تھا۔ ایک اللہ (ک)ے بندوں کے لئے، ایک اپنی ذات کے لئے۔

سونے جاگنے کے اوقات مقرر تھے۔ ملنے جُلنے کے انداز میں (ب)ھی پابندی تھی۔ ایک صحابی ہیں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ (ع)نہ، حضور انھیں جب دیکھتے تھے تو ازراہ شفقت مسکرا دیتے تھے (ا)س مسکراہٹ میں تادم آخر فرق نہیں آیا۔ حضور (صلعم) کی حدیث (ہ)ے کہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جسے پابندی کے ساتھ (ا)نجام دیا جائے۔

کھانے پینے، شادی بیاہ، کسب و تجارت اور ہر بات (ک)ی طرح مسلمان کا لوگوں سے ملنا جُلنا بھی اللہ کے لئے ہونا چاہیئے۔ (ک)سی سے ملے تو اللہ کے لئے ملے اور کسی سے دور رہے تو اللہ کے لئے دور رہے، اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ۔ اسلام نے فقط غیر اللہ کی پرستش چھڑا کر اللہ کو سجدہ کرا لینے پر اکتفا نہیں کیا ہے۔ وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اچھے میاں بیوی، اچھے ماں باپ، اچھی اولاد (ا)چھے بھائی بہن، اچھے دوست اور اچھے ہمسایہ بھی بنے یا نہیں۔ اللہ کا بندہ اور پرستار بننے کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کے ایک ایک شعبے میں اللہ کی خوشنودی پیش نظر رکھی جائے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بھی اللہ کے حکم ہی کی تعمیل تک عبادتیں ہیں۔ نماز سورج کے نکلتے وقت یا غروب و زوال کے وقت پڑھئے تو عبادت نہیں ہوگی بغاوت ہوگی، علیٰ ہذا عید کے دن کا روزہ اور سال میں ایک کی بجائے دو حج حرام ہیں۔ اور زکوٰۃ بھی چند قیود کے ساتھ صرف کی جا سکتی ہے۔ بندے اور مخلوق کا فرض آقا اور خالق کی اطاعت کرنا ہے اور بس۔

اسلام میں آپس کے تعلقات کی بہت اہمیت ہے، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "دینی بھائیوں کی مثال ایسی ہے جیسے دو ہاتھ۔ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو دھوتا ہے اور ایک دینی بھائی دوسرے دینی بھائی کے کام آتا ہے۔ اور فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جس کی بہتری کرنا چاہتا ہے اسے دوست عطا کرتا ہے تاکہ وہ کبھی اللہ تعالیٰ کو بھولنے لگے تو دوست یاد دلا دے اور جب وہ اللہ تعالےٰ کو یاد کرے تو دوست اس کا ساتھی بنے" اور فرماتے ہیں "جو شخص اللہ کے لئے دوستی کرتا ہے اسے بہشت میں اتنا رفیع درجہ ملے گا کہ اور اعمال سے اتنا رفیع درجہ نہیں ملے گا" اور فرماتے ہیں "دوستوں میں جو زیادہ محبت کرنے والا ہوتا ہے وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے۔" اور فرماتے ہیں "اللہ تعالےٰ کہتا ہے، میری دوستی ان لوگوں کا حق ہے جو میری خاطر آپس میں ملتے جلتے ہیں" اور فرماتے ہیں "قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کہے گا وہ کہاں ہیں جنھوں نے میرے لئے ایک دوسرے کو دوست بنایا تھا، آج جبکہ کہیں پناہ نہیں ہے میں انھیں اپنی رحمت کے سائے میں پناہ دوں گا۔" اور فرماتے ہیں "اللہ کے لئے دوستی اور دشمنی کرنا ایمان کی مضبوطی کی دستاویز ہے، اور فرماتے ہیں "اللہ کے لئے دوستی کرنے والوں کے چہرے بہشت میں اس قدر چمکیں گے کہ چہروں کی روشنی اہل بہشت پر پڑے گی۔" اور فرماتے ہیں "جب تم میں سے کوئی کسی سے دوستی کرے تو اسے بتا دے کہ میں تیرے رنج و راحت کا شریک ہوں۔ اخلاص کے اظہار سے محبت بڑھتی ہے

ہمارے ہاں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، چار بزرگ ایسے گزرے ہیں جنھوں نے قرآن مجید، سنت[1] رسول ؐ اور عمل صحابہ کو اور اپنے ز(ما)نہ کی ضرورت کو سامنے رکھ کر دنیا اور عقبیٰ کی فلاح کیلئے قاعدے ضابطے اور بائی لاز مدوّن و مرتب کئے تھے، جو عامۃ المسلمین میں اس وقت سے اب تک مقبول ہیں۔ ان چار کے

(بقیہ برصــ)

---

[1] یعنی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال جو قرآن مجید کے مطالب کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ (واحدی)

ساکن راست

جناب خواجہ محمد شفیع دہلوی
(ادیب الملک)

ہاں تو بندہ نواز جہاں تک یاد ہے خادم اس سے پہلے آپ
یہ عرض کر رہا تھا کہ رسول عربی شافع محشر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و
نے آپ کو جس رب قدیر و جلیل کے سامنے جھکایا اور جس کی بندگی
ئی وہ دیگر معبودوں اور دیوی دیوتاؤں سے کس درجہ ارفع و اعلیٰ ہے
رب کا دیگر معبودوں سے مقابلہ کرنا بھی سوء ادب ہے اللہ ہم کو
اف کرے بحالت مجبوری و بہ اکراہ یہ عمل ہو رہا ہے ————
ان کی دیویاں اور یونان کے دیوتا ان کی دیومالا کے مطابق
رف اقتدار کے لئے ایک دوسرے سے متصادم نظر آتے ہیں بلکہ
لات عشق و محبت میں بھی برسر پیکار ہیں جس گھناؤنے کردار کا
ہیرو ہوتا ہے اس سے اسفل انسان بھی شرمسار ہو جائے
———— معبود تو وہ ہے جس کے آگے ہم سر عبدیت خم کرتے
ں، اس کی ہدایت اور اس کا نمونہ ہمارے لئے مشعل راہ ہوتا
ہے، جب اس کا یہ کردار ہوگا تو اس کے پرستاروں کے کردار
ی پستی کا اندازہ فرمائیں کس قعر مذلت تک نہ پہنچ جائے گی ————
ں باپ اولاد کے ذہنوں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔
سان فطرتاً اس جیسا بننا چاہتا ہے جس کو وہ عزت اور احترام
ی نظر سے دیکھتا ہے۔ بس بیٹا بیٹی ماں باپ کی تقلید کرتے ہیں۔
ماں باپ کے کردار اور اعمال خراب ہوں گے تو اولاد پر اس کا
ر تو پڑنے کا بدرجۂ اتم امکان ہوگا۔ درآں حالیکہ ماں باپ
ے کردار کی آئینہ دار اولاد ہوتی ہے اور محض اس وجہ سے کہ
ن کا اولاد کے ذہن میں ایک مقام اور احترام ہوتا ہے تو پھر اندازہ
فرمائیں کہ انسان جس کی بندگی کرتا ہے جس کے آگے سر عبدیت
خم کرتا ہے جس کی پوجا کرتا ہے جس کا مقام اس کے دل و دماغ میں
ماں باپ سے بدرجہا بلند ہوتا ہے اس کے اعمال و افعال اگر اشد
مکروہ ہوں تو پھر پجاریوں کی پستی کی کیا حد ہوگی۔ ————

ابن آدم بھی عجیب شے ہے۔ اشرف المخلوقات اور صاحب
ادراک و شعور ہونے کے باوصف جب غلط مذہب کی جانب
آتا ہے تو عجیب احمقانہ حرکتیں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس مقام پر
اللہ کا وہ ہی فرمانا دل میں آتا ہے کہ ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے
ہیں اور عقلوں پر پتھر ———— ایک لمحہ کے لئے غور فرمائیں
کہ آپ اپنے پر حکومت کرنے کے لئے کسی بدکردار و بدقماش کا
انتخاب نہیں کریں گے تو پھر پوجا پاٹ کے لئے عبدیت کے لئے
ایسوں کو تراش لیتے ہیں جن کے اعمال شنیدنی تک نہ ہوں۔ سچ
یہ ہے کہ جب انسان رب حقیقی سے روگردانی کرتا ہے تو انتہائی
قعر مذلت میں جا گرتا ہے۔ گرتا چلا جاتا ہے اور کہیں پھر رکتا نہیں
حتیٰ کہ اسفل السافلین کے لقب کا مستحق بن جاتا ہے ————

اندریں صورت اگر قوم کے کرداری امکانات کا اندازہ کرنا ہو تو
اس کے معبودوں پر نظر ڈالئے اگر وہ بلند ہیں تو اس ملت کے
کردار کے بلند سانچہ میں ڈھلنے کا امکان ہے۔

جس دھرم میں ایک دیوی کی عصمت اس صورت میں بچے
اور اس کی شرم یوں محفوظ رہے کہ سر محفل ساڑی نہ کھل سکے اس کی

الت اتنی ہو جائے کہ کھولنے والوں کے ہاتھ شل ہو کر رہ جائیں
ڑے کے انبار لگتے جائیں لیکن ساڑھی کی طوالت ختم ہونے نہ پائے
دھرم عصمت اور شرم کی حفاظت کے سلسلہ میں اپنی استریوں کو
جزہ کرامت اور خرق عادت پر تکیہ کرنے کی تلقین کر رہا ہے اور جو
دست و پا اپاہج اور لاچار کردار اس تعلیم اور مثال سے پیدا ہوگا
جنم دینے کا موجب ہے ——— یہ تو دیوی جی
تھیں جنھوں نے خود کو ان بے شرموں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جو
نہیں عریاں کرنے کے درپے تھے اور آبرو ریزی پر آمادہ اس کے
برخلاف روزمرہ ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ عصمت
شعاروں نے جان دیدی اور آبرو نہ دی۔ ابھی تقسیم ہند کے
وقت دور ابتلا میں کتنی عصمت مآب تھیں جو جان پر کھیل گئیں اور
اموس بچالی ——— اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے
کہ وہ بنفس تھیں ان کے واسطے یہی راہ تھی۔ دیوی نے اپنی کرامت
کر دکھائی۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دیوی جی نے کرامت دکھائی
اپنا دیوی ہونا ثابت کیا لیکن سوال یہ درپیش ہے کہ ان کے پجاریوں
اور پجارنوں کے سروادہ پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

سو بندہ نواز معبود کے کردار اور اس کے تخیل کا اثر پرستاروں
پر پڑتا ہے ——— مقصد ہمارا یہ واضح کرنا ہے کہ جیسا دھرم
ہوگا پجاری ویسے ہی ہو جائیں گے۔ اسلام کا ایک ایک پہلو
لے لیجئے اور اس پر کرداری نکتۂ نگاہ سے غور فرمالیجئے اور اس کے
مقابلہ میں دیگر مذاہب کو لیجئے اور اسی زاویہ سے ان کا جائزہ لیجئے
تو صاحب انصاف یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ اس دین میں جو تخلیق
کردار کے بلند پہلو ہیں ان سے دیگر مذاہب بڑی حد تک محروم
نظر آتے ہیں۔

اس منزل پر ہم کو اس سوال سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ
کردار بلند سے اقوام ترقی کرتی ہیں اور کردار پست سے تنزل پذیر
ہوتی ہیں جب ہمارا دین ارفع و اعلیٰ کردار پیدا کرتا ہے تو پھر ہم اس
زبوں حالی کا شکار کیوں ہیں۔ شاید یہ تو ہم پہلے عرض کر آئے ہیں کہ
قرینہ میں نسخہ ہونا اور بات ہے اور اس کا استعمال کرنا اور نہ کرنا

اور بات ہمارے پاس نسخۂ کیمیا تو اللہ کے حبیب کے طفیل موجود
ہے ہم نے اس کا استعمال ترک کر دیا۔ قرون اولیٰ میں جب ہم
اس نسخہ کو استعمال کر رہے تھے۔ ہماری اس وقت کی ترقیاں عدیم
المثال تھیں پھر ہم نے استعمال ترک کر دیا دوا بغیر استعمال تو کارگر
نہیں ہو سکتی تھی ——— آیئے ہم آپ بارگاہ ایزدی میں
صدق دل سے دعا کریں کہ رب قدیر اپنے حبیب کی جوتیوں کی
خاک کے طفیل ہم کو پھر اچھا مسلمان کر دے اور ہم عملی حیثیت
سے بدخواہوں کے اس اعتراض کا بھرپور جواب دے دیں دنیا
میں بھی سرخ رو رہیں اور میدان حشر میں بھی اور محشر کے روبرو سرخ
پہنچیں۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ خدائے واحد
کی قسم اگر میں اور آپ آج اسلام کے زریں اصولوں پر کاربند ہو جائیں
تو ہماری ترقیوں پر دنیا انگشتِ حیرت در دہاں رہ جائے خدا شاہد
ہے یہ جواب حقیقی جواب ہوگا اور دنداں شکن جواب ہوگا۔ یہ جو جواب
میں دے رہا ہوں اور اللہ دلوا رہا ہے ورنہ میں تو اس کا بھی اہل
نہیں کہ دو سطریں بھی لکھ سکوں اور پھر آجکل جن ذہنی تردوات کا
شکار ہوں ان کے تحت نہ دل ٹھکانے نہ دماغ سو اللہ لکھوا دیتا ہے
میں لکھ دیتا ہوں وہ قبول فرمائے۔ کیا یہ گناہ گار قارئین سے دست بستہ
التجا کر سکتا ہے کہ اس کے حق میں دعائے خیر فرما دیں وعدہ کرتا ہوں
کہ میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔ اللہ ہم سب کو ایمان عطا فرمائے
اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے دین اور دنیا میں سرخ رو
رکھے اپنے حبیب کی محبت سے نوازے اور سکون قلب عطا فرمائے
آمین ثم آمین۔

ہاں تو بندہ نواز غلام آپ سے عرض کر رہا تھا کہ اسلام کے
بدخواہ مسلمانوں کے دشمن معترض یہ فرماتے ہیں کہ نسخہ کیمیا رکھتے
ہوئے تم زدہ حال کیوں ہو ——— عزیزان من ان کی
باتوں میں نہ آنا ان کا دام تزویر اپنے پر نہ چلنے دینا۔ یاد رکھنا
ملت کی زندگی پر اس درجہ متفرق اور مختلف چیزیں اثر انداز
ہوتی ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو لے لینا خلاف انصاف ہے
مثال کے طور پر ملت کی زندگی میں بعض چیزوں کا گم ہو جانا

ربعض کا داخل ہو جانا اثر کرتا ہے مثلاً ایک مریض کوئی نسخہ
سب لاہور میں استعمال کر رہا ہے صحت مند ہو رہا ہے وہ ہی
یض ڈھاکہ چلا جاتا ہے اور وہی دوا استعمال کرتا رہتا ہے تاہم
ئدہ خاطر خواہ نہیں ہوتا طبیب حاذق نسخہ کو الزام نہیں دیگا
ہ یہ کہے گا کہ ڈھاکہ کی مرطوب آب و ہوا مریض کی صحت پر
انداز ہو رہی ہے بعینہ اقوام و ملل کی اخلاقی صحت اور بیماری
ں بہت سے عناصر کار فرما ہوتے ہیں۔ صحیح کہ اس میں دین کو
ت بڑا دخل حاصل ہے لیکن زندگی کے دیگر اثرات کو نظر انداز
یں کیا جا سکتا —— آپ پر تو یہ بپتا پڑی کہ
ب طرف تو آپ نے نسخہ کو تعویذ بنا لیا دوسری طرف بد پرہیزیاں
رع کر دیں۔ تیسری جانب دیگر مذاہب اور ادیان کے خلاء ملاء
آپ کی بیماری کو اور بڑھا دیا —— اس سب کے
صف عزیزان من یہ یاد رکھنا کہ جتنے عرصہ تم نے اللہ کی زمین
کومت کی تاریخی دور میں کسی اور ملت کو اتنے طویل عرصہ
ں سرزمین کو زیر نگیں رکھنے کا شرف حاصل نہ ہو سکا ——
ران میں آپ آئے آج وہ آپ کے کلمہ کے شریک بھائی ہیں اور
ب کی ہر تکلیف و راحت میں شریک آپ کی ابتلا کو وہ اپنی
لا سمجھتے ہیں اور آپ کی مسرتوں کو اپنی مسرتیں ہر طرح آپ کے
تھ ہیں اور ہر طریقہ سے آپ کے حامی اور آپ ان کے حامی
—— دور کیوں جائیے ہندوستان ہی کی تاریخ
اوراق الٹ کر دیکھ لیجئے گنگ و جمن کے کنارے آپ کے قدموں
سرفراز ہوئے ان کی لہروں نے کم و بیش سات سو سال آپ کے
ں چومے آپ نے تاج محل جیسے مقبرہ تعمیر کئے اور قطب منار
سی منار نصب کر دی عادل شاہیوں نے گنبد بنایا جس نے
بد گردوں کو بھی شرمایا —— بزرگان دین آئے اور
وں نے اسلام کی کوثر و تسنیم سے لاکھوں افراد کی تشنگی دور
ئی شرک کی سرزمین پر توحید کا بیج بویا اور وہ ایسا پروان
ھا کہ تقسیم برصغیر کے وقت دیگر تمام و کمال مذاہب کے
بلہ میں آپ کی آبادی ایک تہائی تھی —— اس

ن قوس اور سکھر کے خطہ میں آپ نے آواز اذان بلند کی جو للہ الحمد
آج بھی چہار دانگ میں گونجتی ہے اور انشاء اللہ گونجتی رہے گی۔ یہ
ہے ادنیٰ نمونہ آپ کی سرفرازی و سربلندی کا آپ کی ملک گیری و
ملک داری کا۔ پشاور سے تا بہ بنگال آپ کا سکہ چلتا تھا اور آپ کے
نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ پھر دولت و ثروت حکومت و اقتدار دیگر ادیان
سے قرب ان کی عورتوں سے اولاد ان کے رسم و رواج کا آپ کی زندگی
میں دخیل ہو جانا یہ تمام اسباب و علل تھے جنھوں نے آپ کے حقیقی
اسلامی جذبہ اور کردار کو مضمحل کر دیا۔ ہر کمالے را زوالے۔ کس کی
بنی رہی کس کی بنی رہے گی۔

سکندر ہے نہ دارا ہے، نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے
یہ بیت المال ملک بے وفا بے وارثا گھر ہے
نہ در جام ہوا باقی نہ اندر دل ہوس مانده
بیا ساقی کہ ایں ویرانہ از بسیار کس مانده

رہے نام سائیں کا دنیا کی ہر شئے کو زوال ہے ہم پر بھی زوال آیا
...... اس میں اسلام کو کیا دوش یہ نتائج تو اسلام سے
دوری کے تھے۔ اسلام اور جذبۂ اسلام نے تو آپ کو ملک گیری و
ملک داری سے نوازا۔ اسلام سے بے تعلقی نے آپ کو طوق غلامی
پہنا دیا۔ جب تک آپ تلواروں کی چھاؤں میں نمازیں ادا کرتے
رہے، فتح و نصرت آپ کے در پر سجدہ ریز رہی جب آپ نے
اللہ کی رسی کو چھوڑا زمانہ نے آپ سے ناتا توڑ لیا رسیاں تڑا لیں
جب تک آپ کے قلعوں اور محلوں سے اذانوں کی آوازیں بلند
ہوتی رہیں نوید کامگاری و کامرانی کا رس آپ کے کانوں میں پڑتا
رہا —— پھر وہ دور آیا کہ بربط و نے کی آوازیں تمہارے
محلوں میں گونجیں گھنگروؤں کی جھنکار بلند ہوئی ستار کے تار نغمہ
بخش ہوئے آواز دلربا نے تمہارا دل موہ لیا۔ سارنگی نے سور نگ
سے رنگ جما لیا۔ دشمنوں کی لاشوں پر سر میدان سر رکھ کر سونے
والے گل تکیوں کے سہارے سونے لگے۔ دور جام و مینا تمہارے
مقدر کی گردش بن گیا۔ بزم ساغر نے تمہارے اقبال کا جام
الٹ دیا۔ رقص بسمل دیکھنے والے جب رقص سیم ساقاں دیکھنے لگے

زمین پیروں تلے سے نکل گئی اور خود بسمل بن گئے اس میں اسلام کو کیا الاہنا۔ اسلام نے تو تم کو سرداری و سروری کی راہیں بتائی تھیں، بام عروج تک پہنچایا تھا تمہارے سر کو سر تاجدار بنایا تھا تم اپنے اعمال سے سرنگوں و شرمسار ہوئے۔

کوہ شگاف تیری ضرب تجھ سے کشود شرق و غرب
تیغ ہلال کی طرح عیش نیام سے ۔ ۔ ۔ ۔ گذر

ہاں تو سرکار میرے آپ نے سرزمین ہند پر کم و بیش سات سو سال حکمرانی کی آپ کے بعد دانایانِ فرنگ آئے اور سو سال کے اندر چلتے پھرتے نظر آئے، ہم بچپن میں سنتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا بچے گلیوں میں کہتے پھرتے تھے۔

چار اٹے چار بٹے چار سرے دانیاں
اڑگئے فرنگی رہ گئیں نشانیاں

پر جو نشانیاں یہ جانے والے چھوڑ گئے ہیں وہ شدید نقصان دہ ہیں۔ ہم نے فرنگیوں سے تو نجات پالی ان کی نشانیوں سے بھی جلد از جلد گلو خلاصی حاصل کرو۔ اللہ اس میں تمہاری مدد کرے ابھی تک تمہارے جسم ان کی غلامی سے آزاد ہوئے ہیں اپنے ذہنوں کو بھی طوق و سلاسل سے گلو خلاصی دلاؤ۔

ہاں تو یہ دانایانِ فرنگ اس زمین پر سو سال سے بھی کم تسلط قائم رکھ سکے جس کو تم نے سات سو سال تک زیرنگیں رکھا۔ حالانکہ تمہارے دور میں قانون اسلحہ نہ تھا جو ہتھیار تیغ و سناں تیر و تبر حاکم کے پاس تھے وہی محکوم کے پاس جو تیغہ راعی کے زیب کمر تھا وہ ہی رعایا کے پاس بھی موجود، انگریز کے دور میں حاکم کے قبضۂ قدرت میں تو مشین گنیں، ٹینکس اور ہوائی جہاز تھے اور آپ پر یہ قدغن کہ گز بھر کی چھڑی بھی نہ رکھ سکیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دلی کی چاندنی چوک میں دیکھا ہے کہ کمر جھکے بوڑھوں کے ہاتھ میں عصائے پیری ہے وہ ٹیکتے اس کے سہارے سے قدم قدم چل رہے ہیں۔ اور پولیس کے جوان نے صاحب بہادر کے حکم سے وہ چھین لیا۔ مزید برآں حکومت کے پاس مملکت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک رسائی کے لئے اور اطلاعات پہنچنے کے لئے صرف گھوڑے کی سواری تھی، اس کو کتنا بھی دوڑالو اور یہی ذریعہ نقل و حمل رعایا کے پاس بھی برخلاف اس کے انگریز بہادر کے پاس برق رفتاری سے اطلاعات آتی تھیں اور باد رفتاری سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا جا سکتا تھا زمین کی طنابیں کھچ چکی تھیں۔ اب اہل انصاف و دیانتداری سے بتائیں کہ ملک گیری و ملک داری کے ہم اہل تھے یا سفید فام گوری چمڑی کے اغیار۔ ہم حکومت اپنے کردار کے زور پر کرتے تھے اور یہ محض ساری طاقت کے بل پر۔ یہ رعایا کو بے دست و پا کر کے ان کو اپاہج بنا کر ڈال دیتے تھے اور پھر روندتے تھے، ان کی حکومت کا راز اس میں تھا کہ ملت کے ارفع افراد کو گرا کر ارذل بنادو اور ارذل کو چڑھا کر ارفع کردو تاکہ اراذلہ کا زور ہو شرفا اپنی آبرو بچا کر کونے میں دبک کر بیٹھ جائیں اور ان کے مقابلہ پر کوئی سر نہ اٹھا سکے۔ ان کو یہ راز معلوم تھا خاندانی افراد اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کے کام و دہن حکومت کے لذت آشنا ہوتے ہیں۔ اور ان کے قلب طالب آزادی ان کی خودداریاں غلامی سے جھنجھلاتی ہیں۔ ادنے طبقہ کے ذہن ان بلندیوں اور ارفع خیالات سے معرا ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف مغلوں کے دور کو دیکھ لیجئے کہ راجپوت جن کے خون میں حکومت تھی جو سنگھ آسن پر جنم لیتے اور سنگھ آسن پر عمریں گذارتے انہی کو اپنایا گیا مراتب عطا ہوئے اور عہدہ ——— مدعا اس سب سے ہمارا یہ ہے کہ صحیح معنی میں حکومت ہم مسلمان کرتے تھے۔ اغیار سیاست کی جانکاہ زنجیروں میں کس کر قوم کی روح فنا کرنے کے بعد جسد بے جان پر حکمران بننا جانتے تھے ——— ہم صاحب کردار تھے اور حکومت کرتے تھے یہ اغیار عیار تھے اور حکومت کا منہ چڑاتے تھے۔ یہ کردار ہم کو اسلام نے عطا کیا تھا ——— اسلام تو وہ روشنی عطا کرتا ہے جو ذرہ کو آفتاب بنادے اسلام تو وہ ہے جو انسان کو فرشتوں سے بڑھادے ——— اللہ اللہ آج یہ اسلام کے منہ آرہے ہیں۔ چھاج بولے تو بولے چھلنی بھی لگی بولنے جس میں ستر اور دو بہتر چھید۔

بت کریں آرزو خدائی کی ؛ شان ہے تیری کبریائی کی

عزیزان من تمہارے زوال کا باعث اسلام سے دوری
ذکہ . . . . کہ اسلام۔ چونکہ اغیار تم کو دین
ن سے منحرف کرنا چاہ رہے ہیں اس وجہ سے مختلف
ں اور طریقوں سے تمہارے ذہنوں میں یہ زہر آلودہ
شن دے رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے
یں آگاہ کر دیں۔

سمجھانے سے ہے ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

رب زدہ افراد کو ہم نے مسلمانوں کو برا کہتے سنا ہے
د اپنے کانوں سے سنا ہے ایک انگریز کے چیلے تو
ت ہی دشنام طرازی پر اتر آئے۔ یہ بوڑھا کچھ دیر
ختا رہا اور دل ہی دل میں کھولتا رہا اور وہ مسلسل مسلمانوں
کیڑے ڈالتے رہے کوئی برائی خیر سے ایسی نہ تھی جو
کی رائے میں مسلمانوں میں نہ ہو۔ غدار یہ جھوٹے یہ چور
رہ بدقماش دنیا بھر کے لفنگے اور گنڈے غرض کہ ان کے
ل کے مطابق مسلمان بدترین اور ارذل ترین خلائق
ے حتیٰ کہ انھوں نے یہ بھی فرما دیا کہ صاحب میں تو ایک
ہ سور کو گلے سے لگا سکتا ہوں اور مسلمان کو نہیں اپنا سکتا
———— ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جب وہ
ں طرح مانتے ہی نہیں اور سامان میں آئے ہی نہیں برابر
ے سے باہر ہوتے چلے گئے۔ اللہ دے اور بندہ لے تو
ں بوڑھے کو بھی جھرجھری آئی۔ جب ان کی دشنام
مقراض زبان ذرا سی دیر کو رکی تو میں نے عرض کی میاں
حبزادہ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی اس وقت میرے
ن سے نکل گیا خیر سے کیا نام تھا۔ بولے خدا بخش۔ ہاں میں
کہا یاد آ گیا ماشاء اللہ خوب نام ہے یہ نام تو بیٹے مسلمانوں
ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جناب کے والد بزرگوار اللہ
فضل سے کلمہ گو تھے اور مسلمان۔ جناب کے خیالات کے
طابق تو پھر مرحوم بھی نہ صرف ان تمام عیوب کے حامل تھے

جو جناب نے ابھی مسلمانوں میں بتائے ہیں اور خنزیر سے
بدتر تھے پھر بیٹے جب تم خنزیر کو گلے لگانے کو تیار ہو اور
مسلمان کلمہ گو کو اپنانے کو تیار نہیں، اندریں صورت یہ مناسب
ہے کہ آئندہ سے جب کوئی آپ سے والد کا نام دریافت
کرے تو بہتر ہے کہ بجائے خدا بخش کے خنزیر فرما دیا کریں۔ اس
پر وہ کچھ جھنجلائے کچھ شاید شرمسار ہوئے ———— بہر صورت
و بہر کیف اس سب سے مدعا ہمارا یہ ہے کہ اغیار نے اپنی
جادوگری دکھائی وہ حاکم تھے ہم محکوم ہمارے ذہنوں کی
زمین ان کی تخم کاری کے لئے ایک حد تک آغوش وا تھی۔
نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ ہم اور اس کے ساتھ ساتھ ہماری زندگی کا
ہر شعبہ مزید۔ برآں یہ قیامت آئی کہ ہمارا دین بھی ہماری نظروں
میں وہ نہ رہا جو حقیقت میں اس کا مقام تھا۔

میرے عزیز جب کوئی شخص مسلمانوں کو عام برا کہتا ہے
وہ اس وقت یہ فراموش کر دیتا ہے کہ اس کا اپنا باپ بھی
مسلمان ہی تھا اس کو بھی جانے دیجئے امت محمدی کو من حیث
الملت برا کہہ کر گنہگار ہوتا ہے۔ مزید برآں وہ ایک غلط
بات کہتا ہے اور دشمنان اسلام و مسلمانان کا غیر محسوس طور
پر آلۂ کار بنتا ہے ———— اب اسی حرکت کو ایک
اور زاویہ سے ملاحظہ فرمائیں۔ کیوں صاحب آج بھی
مسلمانوں میں اللہ کے کرم سے اولیاء اللہ بھی ہیں اقطاب بھی
اور ابدال بھی جب ہم ایک مجموعی حکم صادر فرماتے ہیں تو یہ
جلیل القدر ہستیاں بھی اس کی زد میں آ جاتی ہیں۔ اب
غور فرمائیں کیا آپ نعوذ باللہ من ذالک ان کو برا کہنے کی
جرأت کر سکتے ہیں ———— مغرب نے اور مغرب کے اسلام
دشمن عناصر نے ہم پر یہ ظلم ڈھایا ہے کہ ہماری عقلوں پر پردے
ڈال دیئے ہیں ہم کو ذرا آگے نظر نہیں آتا برائے خدا ان پردوں
کو چاک کیجئے آپ نے اپنے اجسام تو ان کی زنجیروں سے آزاد کرا لئے ہیں
اللہ کے واسطے اپنی روحوں اور اپنے ذہنوں کو بھی ان سلاسل سے
نجات دلائیے۔ اپنے پر غرور نہ کیجئے تاہم خود کو دوسروں کے مقابلہ میں
سمجھتا جھوٹے ہے۔ بیشک دین متین پر غرور کیجئے اور پورا پورا غرور کیجئے ہمارا اصل فخر و ناز یہی ہے اللہ ہمارے سینوں میں یہ چراغ ہدایت روشن

جناب غلام محمد بی اے علیگ تنیہ

شیخ اکبر قدس سرہٗ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "رجال اللہ" (اللہ والوں) کو عوام الناس میں چھپا دیا ہے۔ حضرت مولانا محمود الغنی رحمۃ اللہ (سہارنپوری ثم حیدرآبادی) دورِ حاضر میں اسی کا مصداق تھے، جوانی تک کی عمر کو نکال بھی دیجئے تو تقریباً پچاس برس وہ اپنے ظاہری و باطنی کمالات کے ساتھ اس طرح گذار گئے کہ نہ ان کو کسی نے جانا نہ پہچانا۔

حضرت ممدوح استاذ المحدثین حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کے پوتے تھے، ان کے والد ماجد سہارنپور چھوڑ کر حیدرآباد دکن چلے آئے تھے اور وکالت کو ذریعہ معاش بنا کر اس وقت کے فیشن پرستوں کی سی زندگی بسر کرتے رہے۔ فرزند تولد ہوئے تو ان کی پرداخت کے لئے نرس مقرر ہوئی۔ یہ اکلوتی اولاد خدا کی شان کہ خلقۃً کمزور اور ہاتھ پاؤں کی بھی کچھ معذور سی تھی۔ لاڈ پیار ایسا رہا کہ تعلیم نہ جدید طرز ہی کی پوری ہو سکی نہ دینی ــــــ جوان ہو کر یہ لڑکا کلین شیو اور خود بین بن گیا، یہ ماں باپ کی تربیت کا اثر تھا مگر ربِ حقیقی کی ربوبیت کا فیصلہ کچھ اور تھا اور وہ دفعۃً ظاہر ہو گیا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (قدس سرہٗ) حیدرآباد تشریف لائے ہوئے تھے، سربراہ شیخ عارف اور اس خوش بخت، گو بظاہر خود بین و خود نگر، جوان کی نظریں چار ہو گئیں اور نظریں کیا ملیں، ے

آں دل کہ رم نمودے از خوبروجواناں
پیرانہ سال مردے بردہ بیک نگاہے

مولانا محمود الغنی ایسے گرویدہ ہوئے کہ حضرت کے سوا سب کچھ بھلا بیٹھے، فرماتے تھے کہ حضرت کو دیکھے بغیر چین ہی نہ آتا تھا، یہ دولت دیدار اس لئے آسانی سے میسر تھی کہ حضرت حکیم الامتؒ کا قیام مولانا کے چچا زاد بھائی حضرت حضرت مولانا عبد الحیؒ[1] (سابق پروفیسر عربی جامعہ عثمانیہ و خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامت) کے گھر پر تھا۔

چند روزہ قیام کے بعد حضرت حکیم الامتؒ وطن لوٹ رہے تھے تو اس نو گرفتارِ عشق کو ایک عجیب کٹھن اور نازک مرحلے سے گذرنا پڑا، حضرت شیخؒ نے مولانا کو اسٹیشن آنے سے منع فرما دیا۔ اب ایک طرف تعمیلِ حکم کا خیال دوسری طرف جذبۂ دل کا اضطراب! کوئی معمولی کشاکش اور آسان مرحلہ نہ تھا!

ع ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

آخر فراستِ خداداد نے ان دونوں میں جوڑ کی صورت یہ سجھائی کہ مولانا حدودِ اسٹیشن کے باہر ایک ایسی جگہ جا کھڑے ہوئے کہ ٹرین گذرنے لگے تو محبوب کی جھلک نظر آ جائے۔ چنانچہ تدبیر صدقِ صدکارگر ہوئی محب اور محبوب کی نظریں دور ہی دور سے ایک دوسرے کو الوداع والفراق کہہ گئیں ــــــ حضرت حکیم الامتؒ کے قلبِ مبارک پہ

---

[1] مولانا عبد الحیؒ، حضرت مولانا حکیم عبد الرحمٰن محدث سہارنپوری ثم حیدرآبادی کے فرزند تھے جو استاذ المحدثین حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کے خلف الصدق تھے اور ان کے ذریعہ حدیث شریف کا فیض حیدرآباد میں خاص طور پر پہنچا۔ حکیم صاحب محدث کے سب سے ممتاز شاگرد محدثِ دکن حضرت مولانا سید عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی تالیف "زجاجۃ المصابیح" اپنی نوعیت کی ایک کتاب ہے۔

نا محمود الغنی کے اس امتزاج عشق و ادب کا بڑا اثر ہوا اور لوگوں
سامنے ان کی اس ادا کی تحسین فرمائی۔

بہر حال شیخ کی پہلی ہی نظر مولانا پر جذب کامل کا اثر کر گئی
، دفعۃً مولانا کی زندگی بدل گئی، ذکر و شغل، خلوت گزینی اور
یت کا غلبہ ہو گیا، اصطلاحی بولی میں مجذوب ہو کر سالک بنے
خط کے ذریعہ تھانہ بھون حاضری کی درخواست پیش کر دی
ب از راہ شفقت ممانعت کا آیا کہ لاغری اور معذوری کے ساتھ
ا طویل سفر خاصی زحمت کا موجب ہوگا، مگر ادھر شوق اضطراب
درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ پھر ایک تدبیر سجھائی دی اور جواب الجواب
پیش کیا گیا کہ والدہ ماجدہ سہارنپور میں مقیم ہیں (مولانا کے والد
انتقال کے بعد والدہ مستقلاً سہارنپور جا چکی تھیں) ان کی خدمت
ں حاضری بہر حال ہوگی اور وہاں سے تھانہ بھون کچھ دور نہیں
س لئے حاضری کی اجازت عطا ہو، چنانچہ اجازت مل گئی ——
ولانا مرحوم راقم عاجز سے فرمایا کرتے تھے اور ان قلندر مشرب
رگ کا طرز کلام ایسا ہی تھا کہ "یہ میری چالبازی تھی کہ میں نے
حضرت کو ایسا لکھ دیا ورنہ اصل نیت تو حضرت ہی کی زیارت
ں تھی، والدہ کی ملاقات تو محض بہانہ تھا۔" غرض پھر اسی کے
سہارے بار بار تھانہ بھون حاضر ہوتے رہے۔ اور وہ فیض
یا یا کہ توحید، تجرید اور تفرید میں فرد کامل ہو گئے۔ شیخ عالی مقام نے
خلافت سے سرفراز فرمایا مگر فنائیت کا غلبہ ایسا تھا کہ اس کو بھی
محض اپنے جد امجد (محدث سہارنپوریؒ) کے تعلق کی رعایت پر محمول
فرماتے رہے اور کبھی مشیخت کے منصب پر ظاہر نہ ہوئے۔ ظاہری
حالت بھی ایسی رکھی کہ عام سطح سے بلند کوئی سمجھ ہی نہ سکا، ہاں جو اہل
نظر تھے وہ ان کے کمال باطنی پر رشک کرتے تھے۔

مولاناؒ کو اپنے شیخ سے کامل درجہ کا عشق تھا، وہ ان کے
عاشق صفاتی نہیں بلکہ عاشق ذاتی تھے، خود فرماتے تھے کہ تحریک
خلافت کے زمانے میں چونکہ سارے علمائے دیوبند ایک طرف تھے
اور حضرت والاؒ (حکیم الامت) ایک طرف اس لئے اچھے اچھے مریدوں
کے قدم بھی ڈگمگا گئے۔ مگر مجھے تو اشرف علی کی ذات سے محبت تھی، نہ
ان کے علوم سے نہ کمالات سے اس لئے اگر سب کے سب بھی حضرت
کو چھوڑ دیتے تو میں تو انہی کا رہتا" —— اس پر راقم عاجز نے عرض
کیا کہ شیخ عبدالعزیز دباغ قدس سرہٗ نے یہی فرمایا ہے کہ جب تک
مرید کو "شیخ کی ذات ترابی" سے عشق نہ ہوگا شیخ سے کامل نفع نہیں پہنچ
سکتا —— میری اس بات پر مولانا نے فرمایا کہ "مجھے یہ سب
کچھ معلوم نہیں مگر میں کیا کروں کہ مجھے ان کی ذات سے محبت ہے
اور یہ میری غیر اختیاری بات ہے۔" یہی وجہ تھی کہ اپنے شیخ کی
ادنیٰ تنقیص ان کے لئے ناقابل برداشت تھی، طبیعت ویسے
بھی ذرا جلالی تھی اس لئے پہلے تو لڑ ہی پڑتے تھے مگر بعد میں جب
ان کی اس حالت کی اطلاع ان کے ایک خواجہ تاش نے حضرت
حکیم الامتؒ کو کی اور حضرت نے ایک تعویذ مولانا کو ارسال
فرمایا تو جوش تھم گیا، ضبط کی طاقت پیدا ہو گئی مگر ہیجان اور
اس کا طبعی اثر اپنی جگہ رہا۔ اسی کراچی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ
مولانا کو شدید دست لگے۔ راقم الحروف نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ
ایک صاحب مولانا ..... سے یہ کہہ رہے تھے کہ مولانا اشرف علی
صاحب بڑے نیک انسان تھے اور بڑا کام کیا لیکن تصوف کے
اونچے حقائق تک ان کی رسائی نہ تھی۔ یہ جملہ میرے کان میں پڑا تو
میں غصہ پی گیا مگر اس کے اثر سے دست شروع ہو گئے ——
اور ایسا کئی بار ہوا۔

عملی اعتبار سے مولانا کی زندگی میں ذکر و شغل اور زہد کے ساتھ
سخت احتساب نفس کا اہتمام قریبی لوگوں نے دیکھا اُن سے زیادہ
اپنے نفس سے بدگمان اس عاجز نے کسی کو نہیں دیکھا، کراچی کے
دوران قیام راقم الحروف کے گھر مولانا تقریباً سوا ڈیڑھ برس
مقیم رہے۔ پچھلی شب کو اٹھ کر وضو کے لئے نکلتے تو بڑے پرسوز
اور غضب آلود لہجہ میں ان کی زبان سے یہ کلمات سنائی دیتے
کہ یا اللہ میں بہت کمینہ بڑا بدمعاش اور ایسا اور ایسا برا ہوں
تو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما، اس وقت ان کا قال ان کے
حال کا بڑا موثر ترجمان بن جاتا تھا —— اس کے علاوہ وہ اپنے
نیک خصال خواجہ تاشوں کے غائبانہ مداح ہونے کے باوجود

ان سے بہت کم محض اس وجہ سے ملتے تھے کہ خود کو اس قابل نہ سمجھتے تھے، حالانکہ وہ لوگ مولانا کی چند لمحوں کی ملاقات کو بھی اپنے لئے وجہ سعادت سمجھتے تھے۔

مولانا کا سینہ نسبت چشتیہ کے زور سے مجمر سوزاں بنا ہوا تھا، اکثر استفسار کا جواب ان کی ایک آہ گرم ہوتی جو ہر درد کا درماں، اور ہر زہر کا تریاق بن جاتی تھی، یہ ناکارہ ایک مرتبہ سخت باطنی گھٹن (قبض) میں مبتلا تھا، سر راہ مولانا مل گئے، بمضطربانہ اپنی حالت زار عرض کر دی، مولانا نے بس "آہ" نکالی اور چل دیئے اور مبتلا کا کام بن گیا۔ دفعۃً حالت بسط سے بدل گئی۔

مولانا بڑے صاحب کرامات بھی تھے، مگر وہ کرامات عوام کو نظر نہ آسکتی تھیں، انھوں نے جس پر شفقت فرمائی، ہر سو پر اس کو دین خالص کی توفیق میسر آگئی، وہ جہاں بیٹھ گئے برکت ظاہر ہوگئی، مگر کسی کے بٹھائے کہیں نہیں بیٹھتے تھے، نہ ان کو کوئی بزرگ سمجھ کر دعا کروانے لیجاتا تھا، کراچی میں تین چار مقامات ایسے معلوم ہیں جہاں مولانا خود سے جاکر بیٹھے اور جہاں بیٹھے خود ہی بیٹھنے کی اجازت طلب کی اور اجازت دینے والے نے ازراہ کرم اجازت دی یہ نہیں سمجھا کہ یہ خود کرم گستر ہستی ہے! درکرم گستری ان کا مقصود ہے۔ دو ایک کریانہ کی دوکانیں ایک ہوٹل ایک آدھ مطب جو بالکل نہ چلتا تھا، مولانا کی چند روزہ نشست سے بارونق اور با برکت ہوگئے اور پھر مولانا وہاں سے چلتے بنے۔ مولانا کے متعلق بعض واقف کاروں کو یہ کہتے سنا اور آثار بھی کچھ ایسے ملتے تھے کہ مولانا "اہل خدمت" بزرگوں میں سے تھے، حیدرآباد میں برسوں ہم لوگوں نے دیکھا کہ روزانہ وقت مقررہ پر مولانا کا گشت شہر کے ایک خاص حصہ میں ہوتا تھا، شاید اس میں وہی رمز ہو۔

ذکر الٰہی دراصل جنت اور اہل جنت کا زمزمۂ نشاط اور غذائے روحانی ہے، جہاں ذکر الٰہی ہے وہاں بوئے فردوس اگر آجائے تو شبہ کی کیا بات ہے۔ راقم عاجز کو اس کا حسی مشاہدہ حضرت مولانا محمود الغنی صاحب رح کی صحبت میں ہوا، اس اللہ والے نے جو بظاہر میلے سے لباس میں رہتا تھا ایک مرتبہ مجھ کو کچھ دیر کسی ضرورت سے رُک جانے کا حکم فرمایا، میں خاموش بیٹھا رہا اور وہ ذکر میں مشغول ہوگئے، دفعۃً مشک و عنبر کی ملی جلی خوشبو اس قدر تیز محسوس ہوئی کہ جیسے مشک و عنبر کے خزانے کھل گئے ہوں اور یہ خوشبو اس وقت تک رہی جب تک مولانا مشغول ذکر رہے۔ ———— میں نے ایسی خوشبو نہ پہلے سونگھی تھی نہ پھر میسر آئی؛

یہ پہلے ہی عرض کر چکا کہ مولانا کچھ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر حضرت حکیم الامت کے عشق نے ان کو ان کی تصانیف کا عاشق بنا دیا اور اسی عشق کی کرامت تھی کہ مولانا نے حضرت کی ایک ایک تصنیف کو نہ صرف بار بار پڑھا تھا بلکہ فہم خداداد اور باطنی یافت کی وجہ سے مہمات مسائل تصوف کو ایسے سمجھ گئے تھے کہ دقیق سے دقیق فنی بات اور تربیتی رمز کو جب وہ بیان فرماتے تو علماء تک کسی پہلو سے اس پر حرف گیری نہ کر سکتے تھے، یہ کمال حضرت حکیم الامت کے غیر عالم خلفاء میں مولانا ہی کے ساتھ مخصوص تھا، اور یہی نہیں بلکہ چونکہ ان کی نسبت بہت اونچی تھی اور جذب و سلوک دونوں راہوں کے واقف کار تھے اس لئے اپنی طرف سے بھی جب وہ کوئی بات ارشاد فرماتے تو وہ معیار علم و عرفان پر اس قدر پوری اتری ہوئی ہوتی کہ اعلیٰ سے اعلیٰ میزان تحقیق میں اس کو بلا تامل تولا جا سکتا تھا۔

مولانا نے ساری زندگی تجرد میں گذار دی، بڑے ناز و نعمت کے پلے تھے مگر ادھر آکر سب سے الگ تھلگ، مسکنت، فقر اور گوشہ گیری ہی کو پسند فرما لیا تھا۔ البتہ سقوط حیدرآباد سے چند برس پہلے اپنے ایک پیر بھائی مولوی عبدالرحیم صاحب مدظلہم کے گھر منتقل ہوگئے تھے۔ ۷، ۸ برس وہاں رہے پھر محترمی مولانا سید عبدالجبار صاحب مدظلہ سے راہ و رسم اور محبت بڑھی تو ان کے اصرار پر ان کے گھر منتقل ہوگئے اور مولانا نے بھی حضرت کی خدمت آخر وقت دل و جان سے کی اور ایسی کی کہ سگی اولاد بھی نہ کر پاتی۔ سقوط حیدرآباد کے بعد مولانا سید عبدالجبار صاحب کے ساتھ حضرت مولانا محمود الغنی صاحب کراچی آگئے اور تادم مرگ وہیں رہے، البتہ درمیان میں ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۳ء کے تقریباً سوا یا ڈیڑھ برس

مولانا کا قیام راقم عاجز کے گھر رہا اور اس کا سبب یہ تھا کہ کراچی آکر مولانا کو مرشدی و مولائی حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی ؒ سے غیر معمولی محبت ہو گئی، اس عاجز کا قیام خوش بختی سے حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی تھا اس لئے مولانا میرے گھر منتقل ہو گئے تھے۔ نومبر ۱۹۵۳ء میں جب حضرت مرشدی ؒ رحلت فرما گئے تو مولانا روتے جاتے تھے اور بس یہ فرماتے تھے کہ "اے اللہ شیخ کے بعد ایک سے محبت ہو گئی تھی وہ بھی رخصت ہو گیا" اور احقر سے بطور وصیت ارشاد فرمایا تھوڑی سی جگہ حضرت (کے مزار پر انوار) کے قریب مجھے بھی مل جائے مگر آہ کہ جب دو برس بعد اس وصیت کی تکمیل کا وقت آیا مزار سلیمانی ایسا محصور .... ہو چکا تھا کہ مولانا کی تدفین اس کے قریب محال تھی، اور مولانا کی تنہائی پسندی یہاں بھی رنگ دکھا گئی کہ رات کی تاریکی میں چند اہل محبت نے مولانا کو شہر سے کوسوں دور ماری پور کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا ——— انا للہ و انا الیہ راجعون

بات یاد آئی میرے گھر قیام کے دوران (۱۹۵۲ء میں) ایک مرتبہ مولانا محمود الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ احقر کے ہمراہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب ؒ سے ملنے ان کی قیام گاہ (مکان حاجی محمد شفیع مرحوم قریب سبیل والی مسجد) پر تشریف لے گئے، برسوں بعد ملاقات ہوئی تھی، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بڑے تپاک سے مولانا کا خیر مقدم کیا اور اعزاز سے بٹھایا، مولانا ایک مجذوب صفت بزرگ بس بنتے جا رہے تھے، حضرت مفتی صاحب ؒ نے فرمایا "حضرت کو دیکھ کر خانقاہ تھانہ بھون یاد آگئی" ـــ اس پر مولانا نے ایک قہقہہ لگایا اور اٹھنے لگے، حضرت مفتی صاحب نے دریافت فرمایا کہ "حضرت کا قیام کہاں ہے" ـــ مولانا نے راقم الحروف کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ "ان کے یہاں" ـــ حضرت مفتی صاحب رحمہ نے اس عاجز کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"آپ نے تو ہما کو پال رکھا ہے"

افسوس کہ فضائے معرفت الٰہی کا ایک "ہما" ایک عرصہ اس دنیا پر رہا اور پھر اڑ بھی گیا مگر کسی کو خبر تک نہیں کہ وہ کب آیا اور کب گیا اور اس کا سایہ اہل زمین کے لئے کس قدر بابرکت تھا"

زندگانی کا مزہ ملتا تھا جن کی بزم میں
اُن کی قبروں کا بھی اب مجھکو پتہ ملتا نہیں (اکبر)

(بقیہ مضمون "تاثرات")

علاوہ بھی بہت سے حضرات نے یہ خدمت اسلام انجام دی تھی، اور کہا جاتا ہے کہ ان چاروں کے درجے کی خدمت انجام دی تھی، مگر انہیں شاگرد اور جانشین اس پائے کے نہیں ملے جیسے مندرجہ بالا چاروں بزرگوں کو مل گئے تھے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ ؒ کا کارنامہ امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کے ذریعے زندہ رہا۔ اسی پائے کے شاگرد واللہ تعالیٰ نے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کو دیئے تھے۔ پھر ان چاروں کے شاگردوں کے شاگردوں میں عظیم المرتبت علماء ہوئے۔ ایک حنفی فقیہ کا حال لکھا ہے جن کا نام محمد بن احمد السرخسی تھا، لقب شمس الائمہ وہ خاقان کو نصیحت کرنے کے جرم میں ایک کنویں کے اندر قید کر دیئے گئے تھے، انھوں نے وہاں بھی علمی مشغلہ جاری رکھا، ان کے شاگرد کنویں کی منڈیر پر بیٹھ جاتے تھے اور وہ حاکم شہید کی کافی کی شرح بلند آواز سے بغیر کسی دوسری کتاب کی مدد کے، بول بول کر لکھواتے رہتے تھے یہ شرح پندرہ جلدوں میں ہے اور اس کا نام مبسوط ہے، مصر میں چھپ گئی ہے۔ شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی نے پانچویں صدی ہجری کے آخر میں رحلت فرمائی تھی۔ قید کتنے عرصے رہے اور مبسوط کی تمام جلدیں کنویں ہی سے لکھوائیں یا کچھ حصہ، یہ مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ بہرحال کچھ حصہ لکھوایا گیا تو بھی بے نظیر واقعہ ہے۔ اور اس سے ہمارے اسلاف کے علمی شغف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (اور اس کتاب کو دیکھ کر ایک عیسائی نے کہا تھا کہ جب تمہارے چھوٹے محمد کے علم کا یہ حال ہے تو بڑے محمدؐ کے علم کا کیا ٹھکانہ! نعمانی)

ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ صدیق سندیلوی

عیدِ قرباں کا پیغام

یہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے اس کی دسویں تاریخ کو ساری دنیا کے مسلمان عید قرباں کی تقریب مناتے ہیں۔ عید قرباں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس شاندار اور بے نظیر قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے جو انھوں نے آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل پیش کی تھی۔ اگرچہ قارئین کرام کو اس بے نظیر قربانی کے واقعات کا بخوبی علم ہے، لیکن ہم ان واقعات کو مختصراً پیش کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، تاکہ ذکر حبیب سے وصل حبیب کی سعادت نصیب ہو جائے۔

ع ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

قربانی کیا ہے؟ اپنی محبوب شے محبوب ترین ہستی کی خاطر قربان کرنا اور وہ محبوب ترین ہستی ذات باری تعالیٰ ہے اسے دوسرے لفظوں میں عشق الٰہی کا کرشمہ کہہ سکتے ہیں۔ قربانی کی انتہائی صورت یہ ہے کہ جان قربان کی جائے۔ عشق الٰہی میں جان قربان کر کے موت قبول کرنا فنا نہیں ہے بلکہ یہ عین بقا ہے۔ یہی وہ قربانی ہے جسے ہمارے حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ پیش کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور یہی وہ قربانی ہے جسے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش کر دکھایا۔ یہ وہ موت ہے جس سے خود موت فنا کا شکار ہوتی ہے۔

سیکھ قربانی کا ڈھنگ حضرت خلیل اللہ سے
توڑ دے پھر کفر کو اک ضرب الا اللہ سے

اسلام کی تاریخ ایسی قربانیوں سے بھری پڑی ہے جس کی ابتدا حضرت اسمٰعیل سے ہوئی اور انتہا حضرت حسینؓ پر۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمٰعیل

قربانی میں ظاہر و باطن دو چیزیں موجود ہوتی ہیں، اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے راستہ میں گائے، بکری، دنبہ وغیرہ ذبح کر دے اس کا باطن وہ جذبہ ہے جس نے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو تعمیل ارشاد باری تعالیٰ کے لئے آمادہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کی کروڑیں رحمتیں ان دونوں پر نازل ہوں جن کی وجہ سے انسانیت کا درجہ اور بلند ہو گیا۔ اپنے متعلق نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کہنے والے ملائکہ عظام بھی حیران ہوں گے کہ جس انسان کے متعلق ہم نے کہا تھا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ، وہ حکم خداوندی کی تعمیل کر کے کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا۔ ان دونوں انبیاء علیہما السلام کے اسی جذبہ نے اللہ تعالیٰ کے بارگاہ سے ان کے حق میں یہ حکم صادر کروایا وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ اس حکم خداوندی کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی لاکھوں مسلمان ان حضرات کی یاد ہر سال مناتے ہیں، اللہ کے راستہ میں اُن کے نقش قدم پر چل کر مسلمان ہر سال قربانی کرتے ہیں۔ ہم سے اکثریت کی قربانی میں ابراہیمی رُخ موجود نہیں یعنی قربانی کا ظاہر ہے مگر باطن نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ یہ قربانی ہمارے اندر رنگ پیدا نہیں کرتی، جس کے پیدا کرنے کے لئے اس کو ہم پر واجب قرار دیا گیا تھا۔

قربانی کا حکم شرعی ہونا اور اس کا شرعی حکم ہونے کا اعتقاد رکھنا بالکل اجماعی مسئلہ ہے اس میں پونے چودہ سو سال سے مسلمانوں میں کسی کو اختلاف نہیں۔

علمائے حنابلہ کی مایہ ناز کتاب المغنی (ج ۱۱ ص ۹۴) میں ہے کہ "قربانی کا شرعی حکم ہونا قرآن شریف، حدیث پاک اور اجماع امت سے ثابت ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قربانی ایک شرعی حکم ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مصنفہ ملا علی قاری حنفی (ج ۲ ص ۲۵۹) میں ہے "شریعت کے تمام دلائل سے قربانی کا شرعی حکم ہونا ثابت ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے اسی لئے فقہائے امت نے قربانی کا شریعت کا حکم ہونے سے انکار کرنے کو کفر قرار دیا ہے"۔

سورۂ حج کی آیت ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ یعنی جو اللہ تعالےٰ کے شعائر یعنی اسلامی خصوصیات کے احکام کی تعظیم کرے گا تو یہ دلوں کے تقویٰ میں سے ہے۔

تفسیر روح المعانی (ج ۱۷، ص ۱۳۶) میں ہے کہ "حضرت عبد اللہ بن عباس رض اور حضرت مجاہدؒ و حضرت عکرمہؒ اور اکابر مفسرین قرآن کی ایک جماعت نے ان شعائر اسلام کی تفسیر ...... قربانی کے جانوروں سے کی ہے"۔ اور اسی سورۃ کی اس سے آگے کی آیت سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قربانی بھی اسلام کے ان شعائر اور خصوصی احکام میں سے ہے جس کی عظمت دل کا تقویٰ اور جن کا ترک دل کا روگ ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اور اونٹ گائے وغیرہ کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر بنادئے ہیں

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ قربانی اسلامی شعار اور خصوصی حکم ہے اس پر رضائے الٰہی کا خاص کام اور اس کا چھوڑ بیٹھنا یا اس کو کسی اور شکل میں تبدیل کرنا زبردست جرم ہے۔

فقہ احناف کی سب ہی کتابوں میں درج ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور تمام احناف کے نزدیک قربانی واجب ہے اور واجب عمل کے درجہ میں فرض ہی ہوتا ہے جس کو چھوڑنے والا فاسق اور سخت گناہ گار ہے۔

فتح الباری شرح بخاری (ج ۱۰، ص ۲۰) میں ہے قربانی امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سنت موکدہ علی الکفایہ ہے اور ایک روایت میں فرض کفایہ۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک ایک روایت میں واجب اور جمہور کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ "عمدۃ القاری شرح بخاری (ج ۱ ص ")" میں علامہ ابن حزمؒ سے نقل ہے کہ "امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ روایت بھی ہے کہ قربانی فرض ہے"۔

علامہ عینیؒ کی شرح ہدایہ (ج ۴ صفحہ ۱۶۷) میں ہے کہ "قربانی کا واجب ہونا امام اعظمؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ اور ایک روایت میں ہے ابو یوسفؒ اور امام مالکؒ کا امام لیثؒ، امام ربیعہؒ، امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، امام ہشامؒ بن عبد اللہ رازی کا قول ہے"۔ جو کام سنت یعنی حدیث شریف سے ثابت ہو یا قرآن شریف میں واضح ہو اس کو حدیث شریف سے ثابت کر دیا جائے۔ اور اسلاف علماء بعض دفعہ اس کو بھی سنت کہہ دیتے ہیں

آج جو لوگ بجائے قربانی کے صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے ہیں ان کو ایک غلط فہمی یہاں لگ سکتی ہے کہ انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ قربانی کی غرض و غایت غریبوں کا پیٹ بھرنا ہے، حالانکہ صاف صاف ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہیں۔ مَنْ وَجَدَ سَعَةً فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا جس نے گنجائش پائی اور قربانی نہ کی وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

قال صلے اللہ علیہ وسلم ضحوا فانها سنة ابیکم ابراهیم علیه السلام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم سب لوگ قربانی کرو کہ وہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ

مشکوٰۃ میں امام احمد۔ ابو داؤد اور ترمذی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو دست مبارک سے ذبح فرما اللهم هذا عنی وعن من لم يضح من امتی۔ اے اللہ یہ میری جانب سے ہے اور میری امت میں سے ہر اس شخص کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی۔

مرقات شرح مشکوٰۃ (ج ۲ صفحہ ۲۷۱) اور عینی شرح ہدایہ (ج ۴ ص ۱۶۸) میں یہ حدیث نقل ہے۔ عن عائشة یارسول اللہ

احمد بن داضحی قال نعم فانہا دین مقضی. حضرت عائشہؓ
نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قرض لیکر قربانی کرلوں
فرمایا ہاں کرلو یہ قرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا کر دیا جائے گا
اگر قربانی واجب نہ ہوتی اور اس کی ادائیگی ضرورت کے درجے
میں نہ ہوتی تو قرض لینے کی اجازت نہ عطا فرمائی جاتی جبکہ بضرورت
قرض لینے پر ناگواریاں ظاہر فرمائی جاچکی تھیں، اس سے معلوم ہوا
کہ جس پر قربانی واجب ہو اور نقد اس کے پاس نہ ہو تو اس کو
قرض لے لینا درست ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی
عمل بقرعید... کے دن خدا تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ عزیز
نہیں اور وہ قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں
سمیت آوے گی اور بے شک خون قربانی کا زمین پر گرنے سے پہلے
ہی جناب الٰہی میں قبول ہو جاتا ہے، پس خوش کرو اس قربانی کے
ساتھ اپنا دل۔"

لوگوں کا جو یہ خیال ہے کہ قربانی کرنے سے جانور ختم
ہو جائیں گے سو اول تو یہ غلط ہے کیونکہ روزانہ جو لاکھوں جانور
بطور ذبیحہ کے کاٹے جاتے ہیں عید کے دن وہ نہیں ذبح ہوتے شاید
کچھ معمولی سا فرق پڑ جاتا ہو، علاوہ ازیں اس روز کچھ ایسے
لوگوں کو بھی گوشت پہنچ جاتا ہے جو سال میں ایک آدھ دفعہ ہی
کھا سکتے ہیں۔ پھر ان کی ساری کھالیں بھی غربا اور مساکین ہی
میں تقسیم ہوتی ہیں، غرض بہت سارے منافع اس میں حاصل
ہوتے ہیں۔

قربانی کے جانوروں میں بکری، بکرا، دنبہ، دنبی
بھیڑ، مینڈھا، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ
اونٹنی صرف ان جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ ان کے
سوا اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

عزیزو اور دوستو! اگر ہم بھی وہ راہ اختیار
کرلیں جو ہمارے انبیاء کرام اور بالخصوص سرکار
دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی تو کامیابی ہمارے
قدم چومے گی اور آگ ہم پر بھی گلزار ہو جائے
گی ۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

(بقیہ مضمون "خواتین اسلام")

شخص کو بلاوے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور
بے رخی کی ہوگی اور جمع کیا ہوگا پھر اس کو اٹھا اٹھا کر رکھا
ہوگا (ترجمہ بیان القرآن)

چہارم: فرمایا کہ انضحی ما استطعت تھوڑا بہت جو ہو سکے
راہ حق میں خرچ کرتی رہو۔ لفظ "جو کچھ ہو سکے" بہت عام ہے
اور ہر امیر غریب اس پر عمل کر سکتا ہے، درحقیقت فی سبیل اللہ خرچ کرنے
کا تعلق آخرت کی محبت سے ہے مالداری سے نہیں، غریب بھی خرچ کر سکتا ہے
مگر اپنی مقدرت کے مطابق کریگا اور امیر بھی خرچ کر سکتا ہے وہ اپنی حیثیت کے
موافق پیسہ اٹھائیگا، آخر دنیاوی ضرورتوں میں بھی تو سب ہی خرچ کرتے ہیں
آخرت کا فکر ہو تو اس میں بھی امیر غریب پیسہ لگائے حدیث کی شرح لکھنے والے علماء
نے بتایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ
عنہا سے یہ لفظ کہ "تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکے خرچ کرو۔ اس لئے
فرمایا کہ "اس زمانہ میں غربت کی حالت میں تھیں اور یہ بھی بات ہو
کہ شوہر کے مال سے عام طور پر تھوڑا بہت ہی خرچ کرنے کی اجازت ہوتی ہو

(بقیہ مضمون "معارف القرآن") ایسے ہیں کہ ان میں جو بھی ذرا
غور کرے گا تو رویت ہلال کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی قطعی فیصلہ
نہ کر سکے گا۔ اور کشف الظنون میں بحوالہ زیج شمس الدین محمد بن علی
خواجہ کا چالیس سالہ تجربہ بھی لکھا ہے کہ ان معاملات میں کوئی صحیح
قطعی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔

(کشف الظنون ص ۹۶۹ ج ۲)

جناب حفیظ اللہ پھلواروی

عقبہ بن عامر کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

تمہارے نسب ایسی چیز نہیں ہے کہ تم ان کے سبب کسی کو برا کہو (یعنی اپنے آپ کو شریف سمجھو اور دوسروں کو ذلیل خیال کرو) تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو سیر کے برابر سیر (یعنی ہموزن وہم پایہ) کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر دین اور تقویٰ کے سبب سے

(مشکوٰۃ شریف)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کہ لوگ اپنے آباء پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ خدا کے نزدیک نجاست کے کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے، خداوند تعالےٰ نے تم میں سے جاہلیت کی نخوت اور آباء پر فخر کرنے کی علت کو خارج کر دیا ہے۔ تمام آدمی آدم کے بیٹے ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

اسی طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے تعصب کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو لوگ عصبیت کے مرض میں مبتلا ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں صحیح حدیث ہے۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کے سبب سے جنگ کرے اور ہم میں سے وہ شخص نہیں ہے جو عصبیت کی حالت میں مرے۔ (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَیُّهَا الْفَاخِرُ جَهْلاً بِالنَّسَبِ
اِنَّمَا النَّاسُ لِاُمٍّ وَّ لِاَبٍ

اے جہالت سے اپنے نسب پر فخر کرنے والے (ذرا غور کر) کہ سب کے سب انسان ماں باپ ہی سے پیدا ہیں۔

هَلْ تَرٰی هُمْ خُلِقُوْا مِنْ فِضَّةٍ
اَمْ حَدِیْدٍ اَمْ نُحَاسٍ اَمْ ذَهَبٍ

(کیا ان میں سے تو کسی کو) چاندی یا تانبے، لوہے یا سونے کا بنا ہوا دیکھتا ہے۔

هَلْ تَرَاهُمْ خُلِقُوْا مِنْ فَضْلِهِمْ
هَلْ سِوٰی لَحْمٍ وَّ عَظْمٍ وَّ عَصَبٍ

کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ اپنے مال کی وجہ سے آدمی بن گئے ہیں (دیکھو تو سہی) بجز گوشت پوست ہڈی اور پٹھوں کے ہے کیا۔

عرب اپنے آپ کو تمام قوموں سے شریف خیال کرتے تھے اور اس پر سختی سے پابند تھے یہاں تک کہ بکریوں اور اونٹوں کا چرانے والا

ں خود کو قیصر و کسریٰ پر نسبی و خاندانی مقابلہ میں ترجیح دیا کرتے
م عرب غرور نسل و خاندان کے نشہ میں بدمست تھے۔ اسلام
سب سے پہلے اس قومی امتیاز کو اٹھانے کی فکر کی اور یہ تعلیم
ں کہ خاندانی غرور بالکل فضول ہے، تم کو تمہارے عمل کے مطابق
یلت دی جائے گی۔ اگر تم میں پرہیزگاری اور تقویٰ ہے تو تم سب سے
افضل ہو اور اگر تم میں یہ باتیں نہیں ہیں تو تمہاری حقیقت اسلام
ں کچھ بھی نہیں اور تمہارا عالی خاندان ہونا کوئی کام نہ آئے گا۔

اسلام ایک عام اخوت میں دنیا کی تمام قوموں کو شامل
ر رہا تھا، یہ کیونکر ممکن تھا کہ اس قسم کے تفرقے مسلمانوں میں قائم
تا۔ ہاں۔ اسلام شرافت کا خیال کرتا ہے مگر کون سی شرافت؟
ف دین کی جس کے اندر سب لوگ شریک ہو سکتے ہیں اسلام
س کو بہت بری نگاہ سے دیکھتا ہے کہ شرافت آبائی ورثہ کے
تھ وابستہ رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضنے فرمایا کہ جب سورۂ شعراء کی آیت
اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (اپنے قریبی اہل خاندان کو
ڈراؤ) نازل ہوئی تو آپ نے قریش کو جمع کیا اور فرمایا۔

اے گروہ قریش اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے
بچانے کی فکر کرو۔ میں خدا کے عذاب کو تم سے
ذرا بھی نہیں ٹال سکتا۔

اے عبد مناف کے خاندان والو! میں تم سے
اللہ کے عذاب کو کچھ بھی نہیں ٹال سکتا۔

اے عباس رضؓ بن عبدالمطلب! میں اللہ کے
عذاب کو تم سے ذرا بھی نہیں ٹال سکتا۔

اے صفیہؓ! میں تم سے اللہ کے عذاب کو ذرا
بھی نہیں ٹال سکتا۔

اے میری بیٹی فاطمہ تو میرے مال سے جتنا
مانگے میں دے سکتا ہوں لیکن اللہ کے عذاب
کو نہیں ٹال سکتا۔

ی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو میری راہ چلا وہ میری آل ہے۔

جس کے عمل کھوٹے ہوں گے ان کا نسب ان
کے کام نہ آئے گا (مسلم)

مسلمانو! خدا نہ تمہاری صورتوں پر نظر ڈالتا
ہے نہ تمہارے نسب پر اور نہ تمہاری دولت
پر بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور
تمہارے کاموں پر نظر ڈالتا ہے، پھر جس کا
دل نیک ہوتا ہے خدا اس پر مہربان ہوتا ہے
(الحکم)

آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کا قصہ
مشہور ہے۔ جب دونوں نے اللہ کی راہ میں نیاز چڑھائیں
تو صرف ہابیل کی نیاز قبول ہوئی جو چھوٹا ہونے کے باوجود
حق پر تھا اور قابیل باوجودیکہ بڑا تھا لیکن چونکہ باطل پر تھا
اس کی قربانی قبول نہ ہوئی۔

کنعان بہت بڑے پیغمبر سیدنا نوح علیہ السلام کا لڑکا
تھا مگر اللہ تعالےٰ نے اس کو نا اہل فرمایا۔ جب طوفان میں غرق
ہو رہا تھا تو سیدنا نوح علیہ السلام نے اس کی حفاظت
کے لئے دعا کی۔ جواب ملا۔

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ یعنی عمل غیر صالح کے
باعث وہ تمہارے اہل سے خارج ہو گیا ہے

چو کنعاں طبیعت بے ہنر بود
پیمبر زادگی قدرش نہ افزود
پسر نوح با بداں بہ نشست
خاندان نبوتش گم شد

(ترجمہ) کیونکہ کنعان کی طبیعت بے ہنر تھی۔ پیغمبر زادگی نے
اس کے مرتبہ میں کچھ اضافہ نہ کیا۔ نوح کا لڑکا بروں کے ساتھ بیٹھا
اس کے نبوت کا خاندان گم ہو گیا۔

یعنی کنعان چونکہ احکام اسلام پر عمل کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے پیغمبر کا لڑکا ہونے
کی بنا پر اس کے مرتبہ میں کچھ زیادتی نہ ہو سکی۔ بلکہ ذلیل و خوار ہوا۔

محمد ہاشم　　ترجمہ: جناب محمد کلیم ایم۔اے

انڈونیشیا میں عیسائیت

یہ مکتوب مسلم نیوز انٹرنیشنل میں شائع ہوا ہے، اور اس سے فکر و عمل کے بہت سے گوشے سامنے آتے ہیں مسلم نیوز کے شکریہ کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ ——— ادارہ

میرے عزیز مسلمان بھائیو اور بہنوں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ہفت روزہ "ٹائم" نے اپنے ۱۶ جون ۱۹۶۷ء کے شمارہ میں نمایاں طور سے (بقول خود) "مسلم دہشت پسندوں" اور "متزلزل حکومت کی وقتاً فوقتاً دہشت انگیزی" کے خلاف چند بے بنیاد اور من گھڑت الزامات لگائے ہیں یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پچھلے دس سال سے عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں اور گذشتہ کمیونزم کی حامی حکومت کے زمانے سے ہی اسلام کے خلاف بہت سی تحریریں شائع ہو رہی ہیں، حالانکہ ان میں سے کسی ایک پر بھی پابندی عائد نہیں کی گئی، کابینہ میں ہمیشہ ایک نہ ایک عیسائی وزیر ضرور شامل رہا، خاص طور پر عیسائی پارٹی کے ڈاکٹر لی مینا جو ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۶ء کے اوائل تک برابر ہر کابینہ میں وزیر رہے اور یہ وہ واحد وزیر ہیں جو ہمیشہ کابینہ میں موجود رہتے تھے، آج بھی موجودہ کابینہ میں چار وزیر عیسائی ہیں۔

دوسری طرف ہمارے پاس اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت موجود ہے کہ کمیونسٹوں کی حامی حکومت نے ۱۹۶۵ء میں غیر قانونی طور سے ہماری دو کتابوں کو ضبط کر لیا تھا ان میں سے ایک کتاب "گناہ اور خون کے ذریعہ کفارہ" (۰۰ صفحات پر مشتمل ۱۰ ہزار کاپیاں) اور دوسری کتاب موجودہ عیسائیت کے بانی کے ذکر میں "مسیح یا پال؟" (۵۶ صفحات پر مشتمل ۲۰ ہزار کاپیاں) تھیں۔ دونوں کتابیں انڈونیشی زبان میں دستخط کنندہ ذیل کی تحریر کردہ ہیں۔ ان کو ادارہ اشاعت اسلام نے شائع کیا تھا اور دونوں کتابیں تاریخی دلائل اور عیسائی علماء کے حوالوں سے مرتب کی گئی تھیں

چیلنج کا جواب

ہم بہت پہلے سے عیسائی مشنریوں کے اس روز افزوں چیلنج سے واقف

چنانچہ اس ادارہ کے قیام (رمضان ۱۳۸۲ھ م فروری ۱۹۶۲ء)
بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ اس چیلنج کا جواب فراہم کرے
ئی۔بی۔ الیف (ادارہ اشاعت اسلام) کی پہلی مطبوعہ
تاب "کیسان تھان" عقیدہ توحید کے تقابلی مطالعہ پر
شتمل ہے، جس میں عقیدہ تثلیث کے مغالطوں کو واشگاف
یا گیا ہے، دوسری کتاب "اسلام اور عیسائیت میں عورت"
سری کتاب اے۔ ایچ دیدت کی ہے جس کا عنوان
محمدؐ عہد عتیق اور عہد جدید کی روشنی میں" ہے۔ اس کے علاوہ
رشید رضا کی "عیسائیت کو چیلنج" (بحر مردار سے حاصل
دہ دستاویز سے ماخوذ) "اسلام اور عیسائیت میں
یادات" "حضرت مسیح اسلام اور عیسائیت کی نظر میں" اور
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی" جیسی قابل ذکر کتابوں
ے علاوہ دیگر بہت سے کتابچے وغیرہ انڈونیشی زبان میں
ئع کئے جا چکے ہیں۔

بگڑتے ہوئے حالات

۱۹۶۶ء کے اواخر میں ہم نے اپنے ایک نمائندے کو
یائے اسلام کے مرکز مکہ مکرمہ اس غرض سے بھیجا کہ وہ
بطہ عالم اسلامی سے تعاون کی درخواست کرے۔ لیکن
رے نمائندے استاذ حسین ابوبکر الحبشی سے کہا گیا کہ وہ
ندہ رجب / اکتوبر ۶۶ء تک انتظار کریں۔ جبکہ صورت
ل تیزی سے بگڑ رہی ہے۔

انڈونیشیا کے معاشی حالات کے سلسلہ میں ہم
ہتے ہیں کہ آپ کے سامنے مرغوب احمد قریشی کے اس مضمون
ے چند جملے پیش کریں، جن کو انھوں نے گذشتہ سال انڈونیشیا
دورے کے بعد "انڈونیشیا کے واقعات عالم اسلام
لئے ایک چیلنج" کے عنوان سے جلد سوم صفحہ ۷ پر تحریر
ے اور وہ کیلیفورنیا کے جریدہ "المینار" میں شائع ہوا۔

"تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس ملک کو
زکوٰۃ کی رقم بھیجیں، تاکہ وہ اس سے زرمبادلہ
اور ان لوگوں کے لئے غذا مہیا کر سکے جو بھوک
سے مر رہے ہیں۔ اور اس مصیبت و پریشانی
کا خاتمہ بھی کر سکے جسے ان کمیونسٹوں نے مسلط
کیا ہے جو ساری دنیا میں غریبوں اور مزدوروں
کے سب سے بڑے ہمدرد اور دوست ہونے
کے مدعی ہیں۔"

انڈونیشیا میں عیسائی مشنریوں کو ان کے پس پشت
والوں خصوصاً مغربی ممالک کی طرف سے مادی امداد
کی بھرمار کر دی گئی ہے۔ کلیساؤں کی تعمیر ہو رہی ہے
حتیٰ کہ ان دیہاتوں میں بھی تعمیر جاری ہے جہاں ابھی ایک
بھی عیسائی آباد نہیں ہے۔ عیسائی مشنریوں کے مدارس
اور شفا خانے ہر جگہ موجود ہیں۔ اور بائیبل ناقابل یقین
حد تک کم قیمت پر فروخت کی جا رہی ہے۔

کتنے احمق ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ عیسائیت
کا فروغ محض ایک اتفاق ہے۔ انڈونیشیا میں کلیساؤں
کی انجمن کے پاس پورے ملک کو عیسائی بنانے کا تفصیلی
پروگرام موجود ہے۔

عیسائی مشنری غریب اور جاہل مسلمانوں کے گھر گھر
جا کر عمدہ چھپی ہوئی کتابوں اور کتابچوں کی مفت تقسیم
اور ہر ممکن امداد و اعانت کے ذریعہ عیسائیت کی ترغیب
دینے میں مصروف ہیں، بہت سے اخباروں میں مغربی عیسائی
ڈاکٹروں کی طرف سے صحت و تندرستی کے اشتہارات شائع
کئے جاتے ہیں۔ جکارتا کے ہوٹل "انڈونیشیا" کے قریب
تھیران البونیتو میں عیسائی مشنریوں کی ایک شاندار عمارت
ہے۔ جہاں غریب اور جاہل مسلمانوں کو رات دن عیسائیت
کی تبلیغ کی جاتی ہے۔

مسلمانوں کے اقدامات

موجودہ چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے ان تمام انڈونیشیوں
کو جو اسلام کی خدمت کر رہے ہیں متحد ہونا چاہئے مبلغین کو

عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ہر طرح سے لیس ہونا چاہیے، انہیں اسلامی اور اہم عصر مذہب کی تعلیمات بہم پہنچائی جائیں، اور جاہل مسلمانوں اور مولویوں کے درمیان مفت تقسیم کرنے کے لئے تحریری مواد بھی فراہم کیا جائے اور یہ بات بغیر کسی جھجک کے کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے پاس رضا کار اور جز وقتی مبلغین کی خاصی تعداد موجود ہے، جنہیں موجودہ ضرورت کے پیش نظر تبلیغ کی صرف بنیادی تربیت درکار ہے

لیکن فوری مسئلہ یہ ہے کہ مفت تقسیم کرنے کے لئے کتابیں اور کتابچوں کی بنیادی ضرورت کو کیسے پورا کیا جائے اور جز وقتی مبلغین کو کیونکر میدان میں لایا جائے۔ ہمیں ضروری لٹریچر اور اظہار خیال کے بہترین ذریعہ پریس کی سخت ضرورت ہے۔ ہم نے بہت چاہا کہ صرف ایک صفحہ کا ہفت روزہ شائع کرنے کے لئے کوئی چھاپہ خانہ مل جائے لیکن ناکام رہے، حتیٰ کہ کوئی ایسا پریس بھی نہیں مل سکا جہاں سے ہم صرف ایک رقتی ماہنامہ جاری کر سکتے۔ انڈونیشیا میں ہمارے پاس ایک بھی تبلیغی رسالہ نہیں ہے۔ اسلامی رسائل و اخبارات کا نکلنا اور بند ہونا ایسا ہی ہے جیسے وہ قاریوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے ہوں۔ یہ سب کچھ پریس نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک طرف دن بدن اسلامی لٹریچر کی مانگ بڑھتی جارہی ہے، دوسری طرف بہت سے مسلمان ناشرین کا دیوالیہ نکلتا جارہا ہے۔ ہم نے مشہور و معروف علماء کی کتابوں کے ترجمے کرائے لیکن جب ان کی اشاعت کے لئے مختلف مسلمان ناشرین سے کہا گیا تو جواب نفی میں ملا۔

دوسرے مسلم ممالک سے پڑھنے والی چیزوں کی درآمد بلاشک بہت اچھی بات ہے۔ لیکن یہ ہماری ضرورت کے لئے ناکافی ہے کیونکہ اس سب سے بڑے اور گنجان آبادی والے مسلم ملک میں انگریزی و عربی جاننے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ علاوہ ازیں بیرونی ممالک سے انڈونیشی زبان میں کتابیں درآمد کرنے پر بھی قانونی پابندی عائد ہوتی ہے۔

صرف ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ تبلیغی مقاصد کے لئے ہمارے پاس پریس ہو۔ جہاں سے ہم جدید طریقہ طباعت کے ذریعہ کم قیمت کی کتابوں کے علاوہ مفت تقسیم کرنے کے لئے کتابچے وغیرہ بھی شائع کر سکیں گے۔ مسلمانوں میں اتحاد اور تبلیغ کے اہم مقاصد کے پیش نظر ہم ایک اسلامی جریدہ کا اجرا بھی کر سکیں گے نیز ہم عوامی کتب خانوں کے قیام کے لئے بھی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ یہاں عام طور پر بڑے بڑے پریسوں کے مالک عیسائی ہیں جنھیں وہ ڈچ مشنریوں سے ورثہ میں ملے ہیں یا پھر عیسائی دنیا نے عطا کئے ہیں یا پھر سرمایہ دار چینی ان کے مالک ہیں۔

پر امید اپیل۔ جہاں تک موجودہ ہنگامی حالات کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ رضا کار مبلغین کو برائے نام معاشی امداد اور مفت تقسیم کے لئے تحریری اشیاء دے کر تبلیغ کے لئے روانہ کریں۔ لیکن اس وقت ہمارا کیا حشر ہوگا جب یہ سارا ذخیرہ ختم ہو جائے گا ہمارا دیوالیہ نکل جائے گا اور ہم کسی قسم کی کوئی مدد مبلغین کی نہیں کر سکیں گے، خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پچھلے تین سال میں ہم نے معاشی حالت کی ابتری کو جانتے ہوئے بھی نہ تو کسی سے مدد کی درخواست کی اور نہ ہی کوئی عطیہ وصول کیا۔

آپ کی امداد و اعانت کے بغیر ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ ہمیں آئندہ کیا کرنا ہے چیلنج کے مقابلے کے لئے ضروری ہے کہ منظم طریقے پر جد و جہد کی جائے۔ ہمیں اپنے دنیا بھر کے بھائیوں اور بہنوں پر مکمل بھروسہ ہے کہ وہ ہمیں کسی قیمت پر بھی اس آڑے وقت میں اکیلے نہ چھوڑیں گے

والسلام۔

محمد ہاشم

سکریٹری ادارہ اشاعت اسلام پوسٹ بکس ۱۶۱

سرابایہ انڈونیشیا۔

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری
استاذ دار العلوم کراچی

گیارھویں حدیث

وَعَنْ اَسْمَاءَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ وَلَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ اِرْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ ص ۱۶۲)

ترجمہ: حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ (راہ خدا میں) خرچ کرتی رہو اور گن گن کر مت رکھنا واللہ تعالیٰ بھی تجھے گن گن کر دیں گے (یعنی خوب زیادہ نہ ملے گا) اور جمع بند کر کے نہ رکھنا ورنہ اللہ تعالےٰ (بھی) اپنی بخشش روک دیں گے۔ جہاں تک ہو سکے تھوڑا بہت (حاجتمندوں پر) خرچ کرتی ہو (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی تھیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دس سال بڑی تھیں انھوں نے مکہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا کہتے ہیں کہ وہ اٹھارویں مسلمان تھیں اس زمانہ میں ایک مسلمان کا بڑھ جانا بڑی بات ہے اس لئے لوگ شمار کیا کرتے تھے کہ فلاں ساتواں مسلمان ہے اور فلاں آٹھواں مسلمان ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان کی روایت کردہ بہت سی حدیثیں کتابوں میں ملتی ہیں ان کے شوہر حضرت زبیر بن العوام تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا حواری یعنی بہت خاص آدمی بنایا تھا، ان کے صاحبزادوں میں عبداللہ بن زبیر اور عروہ بن زبیر زیادہ مشہور ہیں حدیث کی کتابوں میں ان کا ذکر بہت آتا ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں حکومت قائم کر لی تھی جو بادشاہ وقت عبدالملک بن مروان کے خلاف تھی، عبدالملک کا مشہور ظالم گورنر حجاج بن یوسف گذرا ہے اس نے مکہ پر چڑھائی کر کے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر دیا تھا اس وقت ان کی والدہ حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر کے حجاج انکی والدہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ تم نے دیکھا تمہارے لڑکے کا کیا حال بنا؟ یعنی شکست کھا کر قتل ہوا۔ حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بغیر کسی خوف وہراس کے برجستہ جواب دیا کہ ما رأیتك افسدت علیہ دنیاہ وافسد علیك آخرتك یعنی میرے بیٹے کی اور تیری جنگ کا خلاصہ میرے نزدیک یہ ہے کہ میرے بیٹے کی دنیا خراب ہوئی یعنی دنیاوی زندگی ختم ہو گئی اور تیری آخرت خراب ہو گئی کیونکہ ایک بادشاہ کی حمایت میں پڑ کر تو نے ایک صحابی کو شہید کر دیا جو صحیح خلافت قائم کئے ہوئے تھا، اس زمانہ کی مسلمان عورتیں بھی بڑی بہادر اور دلاور ہوتی تھیں بات یہ ہے کہ ایمان مضبوط ہو تو دل بھی مضبوط ہوتا ہے اور زبان بھی حق کہتے ہوئے

قال فی القاموس رضخ له اعطاه عطاء غیر کثیر ۱۲ اے اعطی شیئا وان کان یسیرا ۱۲ ع

مر ائی" نہیں ہے آپ نے دیکھا ایک بوڑھی عورت نے حجاز اور
ں کے گورنر کو کیسا منہ توڑ جواب دیا ہے؟

حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور اقدس صلی اللہ
لی علیہ وسلم کی خدمت میں آنا جانا رہتا تھا اور مسئلہ مسائل
یافت کرتی تھیں، ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ں کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے اور غریبوں یتیموں مسکینوں اور بیواؤں
خبر گیری کی طرف توجہ دلائی اور چار باتیں ارشاد فرمائیں۔

اول : اَنْفِقِیْ (خرچ کرتی رہا کرو)

دوم : وَلَا تُحْصِیْ - (گن گن کر نہ رکھنا یعنی جمع کرنے
ے پھیر میں نہ پڑنا کہ جمع کر رہے ہیں اور شمار کرتے جا رہے ہیں
ج اتنا ہوا اور کل کو اتنا بڑھا، جمع کرنے کے خیال میں اپنی فروریں
ی روکے ہوئے ہیں اور دیگر ضرورتمندوں کو بھی نہیں دیتے
طریقہ اہل ایمان کا نہیں بلکہ دنیا سے محبت کرنے والے ایسا کرتے
یں جن کی جان ہی پیسہ ہے، پیسے ہی کے لئے جیتے ہیں اور اسی کے
لئے مرتے ہیں، ایک حدیث میں ایسے لوگوں کو عبد الدینار والدرہم
رمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگ بہت ناپسند تھے
ایک بار آپ نے فرمایا تعس عبد الدینار وعبد الدرھم
و عبد الخمیصۃ ان اعطی رضی وان لم یعط سخط تعس و
انتکس واذا شیک فلا انتقش (مشکوٰۃ عن البخاری ص ۴۴۰)

بے مراد ہو روپے پیسہ اور چادر کا غلام جس کا یہ حال ہے کہ
اگر اسے مل جائے تو راضی ہو جائے اور نہ ملے تو خفا ہو جائے،
برا ہو اور بربادی ہو اور اگر اس کے کانٹا لگ جائے تو خدا کرے
کوئی نہ نکالے۔ دوسرا مطلب وَلَا تُحْصِیْ کا محدثین نے یہ بتایا
ہے کہ ضرورتمند اور فقیر کو دیتے وقت اس لئے نہ گننا کہ کہیں زیادہ
تو نہیں جا رہا ہے، اور دل کھچ رہا ہے، ایک پیسہ دینے کے لئے
جیب میں ہاتھ ڈالا تھا، مگر دو پیسہ کا سکہ ہاتھ میں آگیا
اب سوچ رہے ہیں کہ یہ تو ایک پیسہ زیادہ ہے فقیر کی طرف
ہاتھ بڑھنے کے بجائے واپس جیب میں جا رہا ہے تاکہ ایک
پیسہ کا سکہ نکالا جائے، یہ بھی حُبِ مال کی دلیل ہے۔

پھر فرمایا فیحصی اللہ علیک یعنی اگر تم گن گن کر رکھو گی
اور جمع کرنے کی فکر میں پڑو گی یا فقیر کو دیتے وقت گنتی کرو گی تاکہ
پیسہ دو پیسہ زیادہ نہ چلا جائے تو اس کے بدلہ اللہ تعالےٰ کے یہاں سے
بھی گن گن کر ملنے لگے گا یا اگر بہت ہو گا تو اس کی برکت ختم کر دی جائیگی
بے برکتی کی وجہ سے بہت زیادہ مال ایسا اُٹ پُٹ ہو جائے گا جیسے
دو چار پیسے ہوتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ فیحصی اللہ علیک کا مطلب
یہ ہے کہ اگر تم غریبوں پر خرچ کرتے وقت یہ خیال کرو گی کہ کہیں زیادہ
تو نہیں چلا گیا تو ایسی صورت میں اللہ جل جلالہ وعم نوالہ بھی اپنے دیئے
ہوئے مال کا حساب لیتے وقت سختی فرمائیں گے اور چھان بین کے ساتھ
حساب لیں گے پھر اس وقت کہاں ٹھکانا ہو گا، اللہ نے تمہیں دیا
ہے تم اس کی مخلوق پر خرچ کرو، احسن کما احسن اللہ الیک۔
قرآن شریف میں ہے وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (یعنی مخلوق
خدا کے ساتھ حسن سلوک کرو جیسے خدا نے تمہارے ساتھ احسان کیا)

سوم : یہ نصیحت فرمائی کہ ولا توعی فیوعی اللہ علیک
یعنی جمع کر کے نہ رکھنا ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے خزانہ غیب سے تمہیں
نہ نوازیں گے اور اپنی داد و دہش میں کمی فرما دیں گے، بات یہ ہے
کہ اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بہت ملتا
ہے اور رزق میں کشائش ہوتی ہے اور اگر تھوڑا ہو تو اس میں برکت بہت ہوتی ہے
جن لوگوں کو جمع کرنے کا ذوق ہوتا ہے اپنی ضروریات بھی دبائے
رہتے ہیں، بچوں پر بھی خرچ کرنے میں کمی کرتے ہیں پھر دوسرے محتاجوں
کو دینے کا سوال ہی کیا ہے۔ ایسے لوگ نہ فرائض بھی ادا نہیں کرتے
جو مال سے متعلق ہیں زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی اور بندوں کے واجب
حقوق، والدین کے اخراجات وغیرہ کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے
جس کی سزا آخرت میں بہت بڑی ہے۔ قرآن شریف میں ایسے
لوگوں کے لئے فرمایا جو مال میں سے شرعی حقوق ادا نہیں کرتے۔

كَلَّا ۖ اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ
وَتَوَلّٰى وَجَمَعَ فَاَوْعٰى (سورۃ معارج)

وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال اتار دے گی، وہ اس

حضرت سفیان ثوری

حضرت سفیان ثوریؒ مشہور محدثین اور فقہاء میں سے ہیں۔ ملا علی قاری حنفیؒ نے شمائل ترمذی کی شرح میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفۂ وقت ابوجعفر منصور نے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا، وہ کسی وجہ سے حضرت سفیان ثوریؒ سے ناراض تھا، اس لئے اس نے حکم بھیج دیا کہ مکہ مکرمہ میں سفیان ثوریؒ کو پھانسی دینے کے لئے سولی نصب کرادی جائے۔ جب اس بات کی اطلاع حضرت ثوریؒ کو ہوئی تو وہ حضرت فضیل بن عیاضؒ کی آغوش میں سر اور حضرت سفیان بن عیینہ رح کی آغوش میں پاؤں رکھے لیٹے ہوئے تھے، ان کے شاگردوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ منصور کی آمد سے پہلے کہیں روپوش ہوجائیں لیکن حضرت سفیان ثوریؒ اطمینان سے اٹھے، مسجد حرام میں پہنچے اور غلاف کعبہ سے چمٹ کر کہنے لگے کہ خدایا اگر ابوجعفر مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو میں بری ہوں گا۔"

ان کا یہ کہنا تھا کہ ابوجعفر منصور کی موت کی اطلاع پہنچ گئی کہ مکہ مکرمہ پہنچنے سے قبل ہی فوت ہوچکا تھا۔

(جمع الوسائل ص ۱۹ و ۲۰ مصطفیٰ البابی ۱۳۱۸ھ)

وقارِ علم

حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدثین میں سے ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں، حضرت امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ جیسے حضرات ان کے استاذ ہیں، اور اسحاق بن راہویہؒ جیسے حضرات ان کے شاگرد، ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے والد یونسؒ بھی ان کے شاگرد تھے ان کا واقعہ ملا علی قاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ جب ہارون رشید حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آئے تو قاضی القضاۃ امام ابویوسفؒ کو حکم دیا کہ وہ شہر کے مشہور محدثین کو ملاقات کے لئے اس کے پاس لے کر آئیں، امام ابویوسف رح نے تمام محدثین کے پاس پیغام بھیجا، تو مکہ مکرمہ کے تمام محدثینؒ جمع ہوگئے۔ مگر حضرت عبداللہ بن ادریسؒ اور حضرت عیسیٰ بن یونسؒ تشریف نہ لائے، ہارون رشیدؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے دونوں صاحبزادوں امین اور مامون کو حضرت عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس بھیجا کہ ان سے احادیث پڑھ کر آئیں، جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے خوشی سے حدیث پڑھا کر انہیں واپس بھیجدیا، ہارون رشید نے اس کے صلہ میں عیسیٰ بن یونسؒ کے پاس دس ہزار درہم روانہ کئے مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ ہارون رشید سمجھے کہ انہوں نے دس ہزار درہم کو کم سمجھ کر رد کیا ہے، اس لئے اس نے دوبارہ دوگنی رقم بھیجدی، جب یہ رقم حضرت عیسیٰ ابن یونسؒ کے پاس پہنچی تو انہوں نے کہا: "اگر کوئی مجھے حدیث کے معاوضے میں اس مسجد کو چھت تک سونے سے بھر کر پیش کرے تب بھی میں اسے قبول نہ کروں گا۔" چنانچہ ہارون رشید نے پھر رقم قبول کرنے پر اصرار نہ کیا۔

انہی حضرت عیسیٰ بن یونس رح کی عادت تھی کہ وہ ایک سال حج کرتے تھے، اور ایک سال جہاد۔ لہٰذا انہوں نے اپنی عمر میں ۴۵ حج کئے اور ۴۵ جہاد۔ (جمع الوسائل ص ۲۰۲)

عہد رسالت میں بلیک آؤٹ کی ایک نظیر

آج کل کی جنگوں میں بلیک آؤٹ ایک لازمی ضرورت ہے اس عمل کی ایک نظیر خود عہد رسالت ؐ میں بھی ملتی ہے۔

جمادی الثانی ۸ھ میں جہاد کے لئے ایک لشکر مدینہ طیبہ سے دس منزل کے فاصلے پر لخم وجذام کے قبائل کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا جس کے امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے، اس غزوہ میں دشمن کے سپاہیوں نے پوری فوج کو حلقۂ زنجیر میں جکڑ رکھا تھا تاکہ کوئی بھاگ نہ سکے، اسی لئے یہ غزوہ "ذات السلاسل" کے نام سے موسوم ہے (یاد رہے کہ جنگ ذات السلاسل کے نام سے جو مشہور جنگ ہوئی وہ دورِ صحابہ میں اس کے بعد ہوئی ہے)

اس غزوے میں حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ لشکر گاہ میں تین روز تک رات کے وقت کسی طرح کی روشنی نہ کریں، اور نہ آگ جلائیں۔

تین دن کے بعد دشمن میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ بھاگتے ہوئے دشمن کا صحابہ کرام رضؓ نے تعاقب کرنا چاہا، مگر حضرت عمرو رضؓ نے تعاقب سے بھی منع کر دیا، لشکر کے جانبازوں کو روشنی بند کرنے کے حکم ہی سے ناگواری تھی کہ تعاقب نہ کرنے کا حکم اور بھی ناگوار گذرا۔ مگر اطاعت امیر کی بنا پر تعمیل لازمی تھی، اس لئے بے چون وچرا پابندی کی گئی۔ البتہ جب لشکر مدینہ طیبہ واپس پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی گئی، آپؐ نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو بلا کر وجہ دریافت فرمائی۔

حضرت عمرو رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے لشکر کی تعداد دشمن کے مقابلے میں تھوڑی تھی، اس لئے میں نے رات کو روشنی کرنے سے منع کیا کہ مبادا دشمن ان کی قلّتِ تعداد کا اندازہ لگا کر شیر نہ ہو جائے، اور تعاقب کرنے سے بھی اسی لئے روکا کہ انکی کم تعداد دشمن کے سامنے آجائے گی تو وہ کہیں لوٹ کر حملہ نہ کر دے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس جنگی تدبیر کو پسند فرما کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

(جمع الفوائد ص ۲۷ ج ۲ بحوالہ جہاد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم)

آنحضرتؐ کے اعضاء شریفہ کا ذکر قرآن میں

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۳۱ھ) لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشمار خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپؐ کے ایک ایک عضو مبارک کا الگ الگ ذکر فرمایا ہے، آپؐ کے چہرۂ انور کے بارے میں ارشاد ہے "قد نری تقلب وجھك" آنکھوں کے بارے میں ہے۔ "ولا تمدن عینیك" اور زبان مبارک کے بارے میں ارشاد ہے: فإنما یسرناہ بلسانك" اور ہاتھ اور گردن کا ذکر ایک ساتھ ہے: "ولا تجعل یدك مغلولۃ الی عنقك" اسی طرح سینے اور پشتِ مبارک کا ذکر سورۂ الم نشرح میں ایک ساتھ کیا گیا ہے: "الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظھرك" اور قلب مبارک کا ذکر اس آیت میں ہے: "نزل بہ الروح الامین علی قلبك"

(مناوی شرح شمائل علی ہامش جمع الوسائل ص ۵۴)

ختم قرآن کے وقت دعا

سلف صالحین کا شروع سے معمول چلا آتا ہے کہ وہ ختم قرآن کے وقت دعا کرتے ہیں، یہ معمول صحابۂ کرام رضؓ کے عمل سے ماخوذ ہے۔ علامہ قرطبی رحؒ نے علامہ ابوبکر انباری رحؒ کے حوالہ سے سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ

عن قتادۃ أن أنس بن مالك رضؓ کان اذا ختم القرآن جمع أھلہ ودعا (تفسیر قرطبی ص ۲۶ ج ۱)

"قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضؓ جب قرآن کریم ختم کرتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع کرتے اور دعا فرماتے۔

حضرت مجاہدؒ اور عبدۃ بن ابی لبابہؒ سے بھی یہ عمل منقول ہے اور ساتھ ہی ان کا یہ ارشاد بھی کہ۔

فان الرحمۃ منزل عند ختم القرآن

ختم قرآن کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

(حوالہ مذکور)

مصلح امت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے

از حضرت مولانا قاری الحاج فخر الدین صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ ...

آخری لمحات

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا حادثہ واقعی قیامت
...فری کا حادثہ تھا، انا للہ الخ تفصیل کچھ بھی نہیں ہے آپ نے تفصیل
...بھی ہے چٹ منگنی پٹ بیاہ ہمارے یہاں کی مثل ہے، ان کے
...تھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ بلاوا آیا اور چلے گئے۔

تھوڑی سی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہمارا جہاز بدھ
...بعد ظہر روانہ ہوا، میرے لئے مولانا حامد الانصاری غازی نے
...بس کے اوپر سائبان میں جگہ متعین کرا دی تھی، جہاز چھوٹنے
...سے پہلے مولانا کی زیارت کو بڑا مجمع سامنے پلیٹ فارم پر جمع ہو گیا
...جہاز کی روانگی کے بعد دیر تک کھڑا رہا کس کو معلوم تھا کہ یہ
...آخری زیارت کر رہے ہیں پنجشنبہ کی شب خیر سے گزری، پنجشنبہ
...ن بھی گزر گیا جمعہ بھی آیا اور گیا۔ پنجوقتہ نمازیں اوپر ہی جماعت
...ساتھ ہوتی تھیں، پورے جہاز میں یہی سب سے بڑی جماعت
...مولانا اس میں شریک ہوتے تھے اور فرض کے بعد دو آدمیوں
...تھ پکڑے خراماں خراماں کیبن میں چلے جاتے تھے۔ جمعہ کے مغرب
...بعد بھی اسی طرح حسب معمول جماعت سے فارغ ہو کر کیبن کی
...جاتے دیکھا، عشاء کے بعد معمول کے خلاف ان پر نظر نہیں
...ی، سمجھا کہ نکل گئے ہوں گے۔ میری نظر ہی خطا کر گئی ہوگی۔
...س ہوتے ان کی کھڑکی کے پاس کچھ لوگوں کو کھڑے دیکھا، ادھر
...کی تو ان کے خاص لوگوں کو اندر کھڑے دیکھا۔ آگے بڑھا تو
...کی صاحبزادیوں کو برقعے میں کیبن کی طرف جاتے دیکھا تحقیق
...نہ ہو سکی۔ صرف اتنا سمجھا کہ شاید کیبن میں مولانا کے کوئی عزیز
...ب بیمار ہو گئے ہیں۔ عشاء پڑھ ہی چکا تھا اپنی سیٹ پر جا کر
...ل ڈ... کشن کو نل کے پاس پانی لینے گیا تو ایک

صاحب ملے اور بھرائی ہوئی آواز سے بولے۔ "حضرت کا انتقال ہو گیا" میں نے کہا کس کا؟ انھوں نے کہا حضرت مولانا کا۔ میں نے کہا مولانا وصی اللہ صاحب کا؟ انھوں نے کہا ہاں! میں نے کہا ابھی مغرب ساتھ پڑھی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر علاؤ الدین غازی پوری مجھ سے ملنے آئے۔ یہ حضرت مولانا رہ کے خادم خاص ہیں، اور میرے دوست مولانا فخر الدین غازی پوری کے چھوٹے بھائی ہیں۔ یہ مجھ کو زمانۂ تعلیم ہی سے جانتے ہیں اور حضرت مولانا وصی اللہ صاحب رہ کے پاس ہی الہ آباد میں زیر تربیت ہیں۔ اور ایک رسالہ "معرفت حق" نکالتے ہیں۔ جس میں مولانا کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ میرے پاس بھی وہ رسالہ پابندی سے بھیجتے ہیں اور میرے اور مولانا کے درمیان سلام کے تحریری طور پر آنے جانے کا ذریعہ تھے اور یہی ذریعہ بن سکتے تھے ملاقات اور خصوصیت کا بھی۔ مگر افسوس یہ ملے بھی تو مولانا کے وصال کے بعد۔

انھوں نے حادثہ کی تفصیل یوں سنائی کہ مغرب کے بعد حضرتؒ مولانا کیبن میں تشریف لا کر نوافل وغیرہ سے فارغ ہوئے پھر مظفری جہاز کے مشہور و ہر دلعزیز اسپیکر کشمیری صاحب ملنے آئے۔ اور عرض کیا کہ حضرت میں دنیا دار آدمی ہوں، دعا فرما دیجئے کہ مجھ کو اللہ سے تعلق پیدا ہو جائے۔ فرمایا جاؤ دعا کرتا ہوں اللہ تم کو اپنا بنائے۔ وہ گئے تو کھانا آیا اور سامنے رکھا گیا۔ مگر مولانا کی حالت دوسری تھی کسی اور ہی طرف نظر لگ چکی تھی۔ کھانا ہٹا دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں استفراغ ہوا جس سے بیٹھ کی

تمام آلائش باہر نکل گئی - لٹا دیے گئے۔ غشی طاری ہوگئی، ڈاکٹر صاحب نے کہا میں نے نبض دیکھی تو نبض ڈوب رہی تھی۔ دوڑ کر بلڈ پریشر دیکھنے کا آلہ لے آیا۔ دیکھا تو بلڈ پریشر بھا۔ خون کی کمی ہوگئی تھی۔ بڑے ڈاکٹر کو بلایا گیا اس نے بھی یہی تجویز کیا۔ دوا دی اسی حال میں چند گھنٹے گزرے اور بارہ بجے شب کو واصل بحق ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب اس کو کیا کہیے! چٹ منگنی پٹ بیاہ کی مثال اس سے بہتر اور کیا ہوسکتی ہے!

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ ان کو حضرت مولانا ہی ساتھ لے جا رہے تھے۔ تاکید فرمائی تھی کہ ڈاکٹر صاحب اول تو اس سفر میں خاموش رہنے کی کوشش کروں گا۔ بڑا ابن کر نہیں جانا ہے۔ لیکن اگر کوئی وارد قلب پر آیا اور وہ زبان سے جاری ہوا تو دیکھو ایک ایک لفظ اس سفر کا لکھنا۔ افسوس اس کی نوبت ہی نہ آئی۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رح قدس سرہ العزیز کے ایک آسامی مرید جمعہ ہی کو دن میں ملے اور پوچھا کہ مولانا وصی اللہ صاحب سے ملنے کی کیا صورت ہے؟ میں نے کہا کہ بھائی میں تو ابھی تک دور ہی دور کی زیارت پر اکتفا کئے ہوئے ہوں، اب تک ملنے کا موقع نہیں ملا آپ اوپر چلے جائیے۔ ڈی لکس میں مولانا ہیں معلوم کرلیجئے کہ کوئی مجلس ہوتی ہے یا نہیں مجلس ہوتی ہوگی تو اس میں باتیں سننے کا موقع بھی ملے گا۔ وصال کی خبر سن کر وہ مجھ سے ملے اور بولے کہ میں مولانا کے پاس کل جمعہ ہی کو گیا تھا۔ ملاقات کی دعا کرائی اور پوچھا کہ کوئی مجلس کا وقت ہے تو فرمایا کہ ارادہ ہے کہ کل صبح آٹھ بجے سے مجلس کا وقت رکھوں گا۔

افسوس نہ صبح آئی، نہ اس کے آٹھ بجے صبح بھی آئی اور آٹھ بھی بجے۔ مگر مجلس کرنے والے کے لئے نہیں بلکہ پورے جہاز کیلئے صبح قیامت آئی۔

انھیں ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ مولانا کے دو داماد اور مختلف مخصوصین کے ساتھ ہیں کپتان نے کہنے سننے سے لاش کو برف میں دبا دیا ہے، اور بمبئی اور جدہ تار کردیا ہے، اقربا کی تمنا یہ تھی کہ لاش یا تو بمبئی سے "ہیلی" کاپٹر آکر بمبئی لیجائے یا جدہ لے جائی جائے، کئی روز کے بعد بمبئی سے تار کا جواب آیا کہ جدہ لے جاؤ، ہم لوگ کوشش کر رہے ہیں۔ مگر جدہ سے کوئی جواب آخر وقت تک نہیں آیا یہاں تک کہ جدہ پہنچنے کی صبح آگئی، جمعرات کو چھ بجے صبح جدہ پہنچنے کا اعلان تھا اس وقت تک کوئی اجازت کا تار نہیں آیا تھا، اس لئے کپتان نے کہا کہ اب تو کوئی صورت جدہ لیجانے کی بغیر اجازت کے نہیں ہے، چنانچہ جہاز کا رُخ موڑ گیا، جدھر سے آئے تھے اسی طرف کو چلایا گیا۔ اور غسل دے کر نماز کا اعلان ہوا۔

جلدی جلدی نماز جنازہ سے فراغت کے بعد لاش کو سمندر کے آغوش میں دیدیا گیا۔ اس اثناء میں جہاز کو روک دیا گیا تھا۔ لاش کو سمندر میں اتارتے ہی فوراً جہاز روانہ ہوگیا۔ اس میں جدہ پہنچنے کے مقررہ وقت سے کئی گھنٹے کی تاخیر ہوگئی، جدہ میں مولانا کے مخلصین جنازہ کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ دو دو آرڈر بھجوائے ہیں واللہ اعلم کپتان کو کسی آرڈر کی خبر نہیں۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ بس یہی تم سی تفصیل ہے۔

(منقول از "نظام" کانپور)

شمعِ ہدایت

جس میں اسلام کے بنیادی مسائل نہایت مؤثر انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر درج ذیل پتہ سے مفت طلب فرمائیں

ٹائفون لمیٹڈ۔ نزد پرانا حاجی کیمپ۔ کراچی

درسِ توحید

کے خواہشمند حضرات ۲۰ پیسے کے ٹکٹ بھیجکر حافظ محمد شریف حکیم فتح محمد سیوہانی روڈ نبی داد لین کراچی سے حاصل کریں!

مغربی تہذیب کے نمونے

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

اسلحہ بندی کا سالانہ خرچہ

واشنگٹن ۳۰ دسمبر (پ پ ا) معلوم ہوا ہے کہ اس وقت دنیا میں اسلحہ بندی پر ایک کھرب چراسی ارب ڈالر سالانہ خرچ کئے جا رہے ہیں، ان میں سے دو تہائی رقم صرف امریکہ اور روس خرچ کرتے ہیں، امریکہ کی اقتصادی انجمن کے زیر اہتمام ایک مذاکرے میں پیش کردہ اعداد و شمار کے مطابق امریکہ روس سے دوگنی رقم اسلحہ بندی پر خرچ کرتا ہے، اس سلسلہ میں اسلحہ بندی پر فی کس اخراجات کے مطابق امریکہ ۲۲۳ ڈالر فی شہری، روس ... ڈالر، سویڈن اور جاپان ۱۳ ڈالر فی کس کے حساب سے خرچ کر رہا ہے۔ (روزنامہ جنگ کراچی یکم جنوری ۱۹۶۷ء)

ضبط ولادت کا نیا طریقہ

لندن ۲۴ نومبر برطانیہ میں پولینڈ کے ایک ...نز بابودسکی ایسے چھ آدمیوں کی تلاش میں مصروف ہے جو اس کے ساتھ مل کر ایک ہی بیوی پر اکتفا کر لیں۔ اسے یقین ہے کہ شوہروں ... اس طرح باہمی اشتراک کو وسیع پیمانے پر اپنانے کے لئے قانونی ... دیدی جائے تو برطانیہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کا مسئلہ کافی ...ک سدھر سکتا ہے۔ پال نے اپنے یہ نظریات اور اسکیم ایک ...فلٹ کی صورت میں چھاپ کر تمام ڈاکٹروں اور فیملی پلاننگ ... دیگر متعلقہ اداروں کو بھیجدیئے ہیں۔

پمفلٹ میں پال نے اپنے نظریات کی مزید تشریح ان الفاظ ...ی ہے کہ اگر میں مزید چھ آدمی حاصل کر سکوں اور ایک ایسی عورت ڈھونڈ لوں جو مشترکہ طور پر سات آدمیوں کو اپنانے پر رضامند ہو جائے تو اوسطاً میری آمدنی میں سے پندرہ پونڈ خرچ ہوں گے ... اس وقت ایک شخص کو ازدواجی زندگی گذارنے میں تقریباً ... پونڈ خرچ کرنے ہوتے ہیں یہ طریقہ اپنانے میں بچوں کی تعداد بہت کم ہو جائے گی کیونکہ سات آدمیوں کی ایک عورت سے شادی کا مقصد یہ ہے کہ ایک سال میں ہم ساتوں کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ دو آسٹریلین نوجوانوں نے پال کا ساتھ دینے پر رضامندی ظاہر کی اور ایک سترہ سالہ لڑکی جیونڈلین نے یہ تجویز منظور کر لی۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۲ دسمبر ۱۹۶۶ء)

ضبط ولادت کی گولیاں

اوٹاوہ ۱۰ دسمبر (پ پ ا رائٹر) نسوانی امراض کے ڈاکٹر ۳۳ سالہ بریسفورڈ نے کہا ہے کہ ضبط تولید کے لئے جو گولیاں کھانے کو دی جاتی ہیں ان سے عورتوں کے چہرے پر سیاہ دھبے پڑ جاتے ہیں ان کی جنسی خواہش ختم ہو جاتی ہے اور خود کو مرد نما سمجھنے لگتی ہیں۔ ڈاکٹر بریسفورڈ نے جو اٹاوہ کی اکیڈمی برائے میڈیسن کے اجلاس میں اپنے مقالہ میں کہا ان گولیوں سے اور بھی کئی امراض پیدا ہو سکتے ہیں، عورتوں کے مخصوص ایام میں خون رک جاتا ہے، اور اس طرح ان کے ذہنوں میں ایسے خیالات ابھرتے ہیں کہ وہ خود کو مرد نما سمجھنے لگتی ہیں۔

(روزنامہ جنگ کراچی
۱۲ دسمبر ۱۹۶۶ء)

کل کے معمار

تجارتی سود کی شرعی حیثیت

مولوی بشیر احمد کاشمیری

طلباء کے انعامی مقابلۂ مضامین میں یہ مضمون دوسرے نمبر پر رہا

شریعت مطہرہ نے سود کی جملہ اقسام کو ناجائز قرار دیکر ملت اسلامیہ کو اس مہلک مرض سے نجات دی ہے، جس کا اصلی مقصد سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پرورش ہے، اور اسلام سرمایہ دارانہ نظام معیشت کا کلی استیصال کرکے ایسا نظام قائم کرتا ہے جس میں بخل کے بجائے فیاضی ہو، خود غرضی کے بجائے ہمدردی ہو، سود کے بجائے زکوٰۃ ہو اور بنک کے بجائے بیت المال ہو۔ لیکن آجکل کے متجددین نے "صرفی" سود کے سوا ہر قسم کے سود کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ انکا یہ طرز عمل قرآن وسنت کے صریح خلاف ہے یہاں یہ ثابت کرنا پیش نظر ہے کہ تجارتی سود جسے منافع کا نام دے کر حلال قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے، وہ قرآن وسنت کی رو سے بالکل حرام ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں سب سے پہلے دو چیزوں کے بارہ میں غور کرنا ہے، ایک یہ کہ سود کی تعریف کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ کیا بینکوں کے انٹرسٹ پر سود کی تعریف صادق آتی ہو یا نہیں؟

ربا کی تعریف ——— ربا کے معنی "زیادتی" کے آتے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ربا ہر اس زیادتی کا نام ہے جو طے کرکے کسی قرض پر دی جائے۔ خواہ وہ شخصی اور صرفی سود ہو یا جماعتی اور تجارتی ہو۔ مثلاً ایک شخص اپنا سرمایہ ایک دوسرے شخص کو دیتا ہے۔ اور یہ شرط لگاتا ہے کہ اتنی مدت میں اتنی رقم زائد لوں گا۔ اس معاملہ میں راس المال کے مقابلہ میں راس المال ہے اور مہلت کے مقابلہ میں وہ زائد رقم ہے جس کی تعیین پہلے بطور ایک شرط کے کرلی جاتی ہے۔ اسی زائد رقم کا نام سود یا ربا ہے جو کسی شے کا معاوضہ نہیں ہوتا۔ حدیث میں ربوا کی مذکورہ تعریف کا ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کل قرض[1] جر نفعاً فھو ربوا۔ تفسیر مظہری میں بھی کچھ لفظی فرق کے ساتھ یہی تعریف کی گئی ہے یعنی کل قرض[2] جر منفعۃ فھو ربا۔ صاحب روح المعانی نے یہ تعریف کی ہے۔ الربا فی الاصل الزیادۃ من قولھم ربا الشئ[3] یربوا اذا زاد فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لایقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال۔

مذکورہ بالا تعریفات سے ظاہر ہے کہ ربوا اس زیادتی کا نام ہے جو بغیر کسی معاوضہ کے حاصل ہو۔ یہاں تک تو ہم نے پہلی چیز یعنی ربا کی تعریف معلوم کرلی۔ اب دوسری چیز یعنی یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا یہ تعریف بنک کے منافع پر صادق آتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہمیں پہلے بنکوں کے نظام پر ایک طائرانہ نظر ڈالنی پڑیگی۔

---

[1] دیکھئے فیض القدیر ج ۵ ص ۲۸۔ اس حدیث کو بعض نے ضعیف کہا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو دوسری تائیدات حاصل ہیں جس کی وجہ سے یہ درجہ حسن کو پہنچکر قابل استدلال ہوچکی ہے ۱۲

[2] ملاحظہ کیجئے اس آیت کے تحت۔ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا (بقرہ)

[3] تفسیر روح المعانی ج ۳، ص ۴۸۔

بنکوں کا نظام

جدید بنکوں کی تنظیم اجمالی طور پر یہ
ہے کہ چند مالدار لوگ مل کر ایک ادارہ ساہوکاری قائم کرتے
ہیں اسی کا نام "بنک" ہے اس بنک میں دو قسم کا سرمایہ ہوتا ہے
ایک حصہ داروں کا سرمایہ، یہ وہی سرمایہ ہوتا ہے کہ جس سے بنک
کی ابتدا کی جاتی ہے، دوسرا امانت داروں یا کھاتہ داروں کا سرمایہ
مؤخر الذکر سرمایہ ہی بنک کی کامیابی کا باعث ہوتا ہے جتنی زیادہ امانتیں
ہوں گی اتنی ہی زیادہ بنک کی کامیابی ہوگی، چنانچہ ساہوکاری
سرمایہ کو حاصل کرنے کے لئے زیادہ کوشش کرتے ہیں، اس میں ہوتا یہ ہے
کہ امانت داروں کا بنکوں کے نظام کار سے دور کا تعلق
بھی نہیں ہوتا۔ ان کو صرف ایک خاص شرح کے مطابق سود
دیا جاتا ہے۔ باقی اختیارات اور نظام سرمایہ داروں کے
ہاتھ میں ہی ہوتا ہے۔ جن کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ امانتداروں
سے زیادہ سے زیادہ سرمایہ کم شرح سود پر حاصل کیا جائے اور کاروباری
لوگوں کو زیادہ سے زیادہ شرح سود پر روپیہ قرض دیا جائے
اس طرز عمل سے ان کو ایک بڑی بھاری رقم منافع میں حاصل ہوتی
ہے اور اسی کو بنکوں کا انٹرسٹ (INTREST) کہتے ہیں۔
یہ منافع حصہ داروں کو بلا عوض حاصل ہوتا ہے۔
کیونکہ وہ راس المال کے بدلہ میں راس المال واپس لے لیتے
ہیں اور منافع بغیر کسی شئے کے عوض کے حاصل کرتے ہیں۔
مذکورہ بالا بحث سے صاف ظاہر ہے کہ بنکوں کا "انٹرسٹ"
سود ہے۔ کیونکہ اس پر سود کی تعریف یعنی کل قرض جر
نفعاً فہو ربوا، اور فضل مال لا یقابلہ عوض فی معاوضۃ
مال بمال۔ صادق آتی ہے۔ لہذا شرعاً بنکوں کی اس قسم کی
آمدنی قطعی حرام ہوگی، اور یہی ہمارا دعویٰ ہے۔ ہم آگے اپنے دعوے
کو قرآن و سنت کی روشنی میں مزید دلائل بیان کریں گے لیکن
اس سے قبل متجددین کی ان تاویلات کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں جو
انہوں نے انٹرسٹ کے جواز کے لئے پیش کی ہیں۔

انٹرسٹ کے جواز پر متجددین کے چند دلائل

متجددین نے سود کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک کو صرفی سود کہتے ہیں اور دوسری کو
تجارتی سود کہتے ہیں۔

صرفی سود کی تعریف یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی ذاتی ضرورت
اور حاجت کے وقت کسی دوسرے سے قرض سود پر حاصل کرے
تجارتی سود اس کو کہتے ہیں کہ ایک تاجر یا کمپنی دوسرے سے
قرض سود پر حاصل کرے، اور اسے اپنی شخصی ضروریات کے
بجائے تجارتی کاروبار میں لگائے۔ متجددین کا کہنا ہے کہ شریعت نے
آجکل کے مروجہ تجارتی سود کو حرام قرار نہیں دیا۔ کیونکہ قرون اولیٰ
میں اس کا رواج ہی نہ تھا۔ اس وقت صرف صرفی سود کا رواج
تھا تو شریعت نے اسی کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ لوگ انتہائی غریب
تھے جس کی وجہ سے ان کو ضرورت کے وقت مجبوراً مالداروں سے قرض
لینا پڑتا تھا۔ اور مالدار لوگ بغیر سود کے قرض نہیں دیتے تھے
اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ غریب لوگوں کو قرض کے بوجھ کے علاوہ سود کا
ایک بھاری بوجھ اٹھانا پڑتا۔ شریعت نے جب مالداروں کے
اس ظلم و ستم کو دیکھا تو سود کو حرام قرار دیدیا۔ لیکن موجودہ تجارتی
سود (جو قرون اولیٰ میں رائج نہ تھا) کی نوعیت ہی دوسری ہے۔
اس میں صرفی سود کی طرح کسی شخص پر ظلم نہیں ہوتا کیونکہ اب سود کمپنی
ادا کرتی ہے اور کمپنی میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں اربوں روپے کا
سرمایہ ہوتا ہے۔ لہذا بنکوں کے منافع کو حرام کہنا صحیح نہیں ہے۔
یہاں تک تو ان کی پہلی دلیل کا ذکر تھا۔ آگے دوسری دلیل کا
ذکر ہے۔

دوسری دلیل، بنکوں کا سود اجارہ کی طرح ہے، اجارہ میں
عین شئی مالک سے واپس لے لیتا ہے ۔۔۔۔۔۔ اور کرایہ دار سے
اس شئے کا کرایہ الگ وصول کرتا ہے۔ مثلاً ایک دوسرے کو ایک
سائیکل کرایہ پر دی تو مقررہ مدت کے بعد اس نے سائیکل بھی
واپس لے لی اور ساتھ ہی اس کی اجرت بھی لے لی۔ اس معاملے
کو شرعاً جائز کہا گیا ہے۔ لہذا بنکوں کا سود بھی جائز ہوگا۔ اس
لئے کہ اس کی صورت بعینہٖ اجارہ کی ہے۔ کیونکہ بنک بھی قرضہ
(راس المال) کی واپسی کے ساتھ اس کا نفع حاصل کرتا ہے۔
لہذا بنکوں کی آمدنی اور نفع دراصل راس المال کا کرایہ ہے جو

حرام کہنا صحیح نہیں ہے۔

اب ان دلائل کے جوابات سنئے۔

دلیل اول کا جواب | ان کی یہ دلیل دو مقدموں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ قرون اولیٰ میں تجارتی سود کا رواج نہ تھا بلکہ صرفی سود کا تھا۔

دوسرا یہ کہ صرفی سود کی وجہ سے ان پر ظلم ہوتا تھا، اس لئے اس کو حرام کیا گیا۔ لیکن آجکل کے تجارتی سود کی وجہ سے ظلم نہیں ہوتا۔

ان کی اس دلیل کے دونوں مقدمے باطل ہیں، مقدمہ ثانی کے بطلان کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم جو تجارتی سود کو حرام کہتے ہیں اس کو صرفی سود پر قیاس کرکے حرام نہیں کہتے۔ یعنی ہم یوں کہتے کہ اصل حرمت تو صرفی سود کی ہے مگر اس حرمت کی علت ظلم ہے اور یہ ظلم تجارتی سود میں بھی پایا جاتا ہے لہذا تجارتی سود بھی حرام ہے بلکہ ہم تو تجارتی سود کو اس لئے حرام کہتے ہیں کہ اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کرچکے ہیں

دوسری وجہ بطلان کی یہ ہے کہ حرمت کی علت ظلم قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ علت متعین اور مشخص ہوتی ہے حالانکہ ظلم غیر متعین اور مبہم ہے۔

پہلا مقدمہ اس لئے باطل ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ "قرون اولیٰ میں تجارتی سود کا رواج ہی نہ تھا" صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس کے رواج کی تصریحات مستند روایات میں موجود ہیں۔

یہاں قرآن وحدیث اور مفسرین کی تصریحات سے چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں لیکن اس سے قبل مجوزین سود سے ایک گذارش کرنا مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ کہ آپ کے زعم کے مطابق اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ موجودہ تجارتی سود کا رواج قرون اولیٰ میں نہ تھا، تب بھی اس کی حلت ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ حلت اور حرمت کا دارومدار قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول اور کلیات ہیں۔ خواہ جزئیات کا اس وقت وجود ہو یا نہ ہو۔ ورنہ موجودہ جرائم مثلاً چوری قتل اور ڈکیتی کو شرعاً حرام ثابت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کے بارہ میں بھی یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان جرائم کا رواج موجودہ صورت کے ساتھ قرون اولیٰ میں نہیں تھا اس لئے کہ آج کل جدید سائنسی آلات سے ان کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ یہ آلات قرون اولیٰ میں موجود نہ تھے، لہذا یہ جرائم آپ کے نزدیک جائز ہونے چاہئیں۔ حالانکہ آپ بھی ان کی حرمت کے قائل ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حلت اور حرمت کا دارومدار اصول اور کلیات ہیں۔ خواہ اس وقت خاص خاص جزئیات موجود ہوں یا نہ ہوں۔ لہذا موجودہ تجارتی سود شریعت کے بیان کردہ اصول کے تحت حرام ہے، اگرچہ فرض کرلیا جائے کہ اس کا رواج قرون اولیٰ میں نہیں تھا۔

تاہم قرآن وحدیث اور مفسرین کی تصریحات سے یہاں چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ تجارتی سود کا رواج قرون اولیٰ میں بھی تھا۔

قبیلوں کا سود | قولہ تعالیٰ۔ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا الآیۃ

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف کے خاندان بنی عمرو بن عمیر اور قبیلہ بنو مخزوم کے ایک خاندان بنو مغیرہ کے درمیان زمانۂ جاہلیت سے سود کا لین دین چلا آتا تھا۔ ان میں سے بنو مغیرہ مسلمان ہوگئے، اور ۹ھ میں ثقیف (جو طائف کے رہنے والے تھے) کا ایک وفد عمرو بن عمیر وغیرہ کی قیادت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اسلام لے آیا، مسلمان ہونے کے بعد آئندہ کے لئے سودی کاروبار سے تو سب تائب ہوچکے تھے لیکن پچھلے معاملات کے

---

۱ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ پ ۳

۲ تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۵۲

سلسلہ میں بنو ثقیف کے سود کی ایک بڑی رقم بنو مغیرہ کے ذمہ واجب الادا تھی، انھوں نے اپنی رقم، سود کا مطالبہ کیا بنو مغیرہ نے جواب دیا کہ مسلمان ہونے کے بعد ہم سود ادا نہیں کریں گے۔ کیونکہ سود کا لینا جس طرح حرام ہے، ایسے ہی اس کا دینا بھی حرام ہے۔ یہ جھگڑا مکہ میں پیش آیا۔ تو مقدمہ عتاب بن اسید کی عدالت میں پیش ہوا جن کو نبی علیہ السلام نے مکہ کا امیر مقرر کردیا تھا، حضرت معاذ بن جبل رض کو بھی ان کے ساتھ ہی تعلیم قرآن وسنت کے لئے مقرر کردیا تھا۔ حضرت معاذؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا۔ جب یہ خط نبی علیہ السلام تک پہنچا تو اللہ تعالےٰ نے آپ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا الخ۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ حرمت ربوا سے پہلے جو سود لیا، دیا جا چکا ہے اس کی معافی تو پہلے نازل ہو چکی تھی۔ لیکن جو سود کی رقم اب تک کسی کے ذمہ واجب الادا باقی ہے۔ اس کا اب لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔ اب صرف راس المال لیا اور دیا جائیگا۔ اس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتابؓ کو لکھا کہ اب سود کی رقم لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔

اس شان نزول کو اگر سامنے رکھا جائے تو بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ قرون اولیٰ میں محض صرفی سود کا ہی رواج نہ تھا بلکہ تجارتی سود کا بھی تھا۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان آیات کا تو شان نزول ہی تجارتی سود سے متعلق ہے، کیونکہ بنو عمرو بن عمیر اور بنو مخزوم۔ یہ وہ قبیلے تھے، اور یہ بات ابو سفیان کے تجارتی قافلہ اور دیگر بہت سی روایات سے ثابت ہے کہ جب کوئی قبیلہ تجارت کرتا تھا تو اس میں ایک دو اشخاص کا نہیں بلکہ اکثر بیشتر قبیلے کے تمام افراد کا سرمایہ لگا ہوا ہوتا تھا اس لئے بالفاظ دیگر یہ دو تجارتی کمپنیاں تھیں جن کو سود کے لین دین سے منع کیا گیا۔ اس شان نزول سے آپ کی اس دلیل کی تردید بالکل ظاہر ہے کہ قرون اولیٰ میں تجارتی سود کا رواج نہ تھا۔

حضرت زبیرؓ کا واقعہ | صحیح بخاری میں حضرت زبیرؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ۔

آپ کے پاس[1] لوگ امانتیں رکھا کرتے تھے لیکن آپ ان کو فرمائے کہ میں بطور امانت کے آپ کا روپیہ نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ کا روپیہ ضائع نہ ہوجائے۔ لہٰذا آپ بطور قرض کے روپیہ میرے پاس رکھیں۔ چنانچہ آپ لوگوں سے روپیہ قرض کے طور پر لے کر اس سے آگے تجارت کرتے تھے، جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے ترکہ میں بائیس لاکھ روپیہ موجود تھا۔ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تجارتی قرض کا کاروبار رائج تھا۔

تفسیر قرطبی | تفسیر قرطبی[2] میں آیت "فلہ ما سلف" کے تحت لکھا ہے کہ

ھذا الحکم من اللہ لمن اسلم من کفار قریش و ثقیف ومن کان یتجر ھناك۔

یعنی یہ حکم اللہ کا ان لوگوں کے لئے ہے جو تجارت پیشہ کفار قریش اور ثقیف سے مسلمان ہوگئے۔

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ میں تجارتی سود کا رواج تھا، جس کے بارے میں قرآن میں کہا گیا کہ جو لوگ پہلے سود لے چکے ہیں وہ ان کا ہے۔ مذکورہ بالا حوالجات سے ان کے مقدمہ اولیٰ (یعنی یہ کہ قرون اولیٰ میں تجارتی سود کا رواج نہ تھا) کا بطلان بھی

---

[1] ان الرجل کان یاتیہ بالمال فیستودعہ ایاہ فیقول الزبیر لا ولکنہ سلف فانی اخشی علیہ الضیعۃ۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ باب برکۃ الغازی

[2] تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۳۶۱

دوسری دلیل کا جواب بنکوں کے سود کو اجارہ پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ قیاس چند وجوہ سے باطل ہے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ قیاس تو پھر صرفی سود میں بھی چل سکتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی آپ کے نزدیک جائز ہونا چاہئے۔ حالانکہ آپ بھی اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اجارہ اور قرض کی ماہیتیں الگ الگ ہیں۔ کیونکہ اجارہ کہتے ہیں۔

بیع منفعة معلومة باجر معلوم[1]۔ یعنی اجارہ میں بیع منافع کی ہوتی اور اجرت معلوم ہوتی ہے اور عین مستاجر واپس کر دیتا ہے۔ بخلاف قرض کے کہ اس میں قرض لئے ہوئے روپے کو بعینہٖ واپس نہیں کیا جاتا بلکہ اسے تو خرچ کر دیا جاتا ہے، اس کے بدلہ دوسرا روپیہ ادا کیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجارہ کی حقیقت قرض کی حقیقت سے یکسر مختلف ہے لہٰذا قرض کو اجارہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اس قیاس کے باطل ہونے کی ایک تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ اجارہ خلاف قیاس مشروع[2] ہوا ہے لہٰذا اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

تجارتی سود کی حرمت پر

قرآن و سنت اور فقہا کی تصریحات سے چند دلائل

دلیل ۱ : ماقبل آیت یایها الذین امنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربوا الخ کا شان نزول گزر چکا ہے۔ اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ میں تجارتی سود کا رواج تھا وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سود مطلقاً حرام ہے۔ واقعہ چونکہ دو قبیلوں کے تجارتی سود کے بارہ میں تھا۔ اس لئے اس آیت سے خاص کر تجارتی سود کی حرمت کا ثابت ہونا۔ واضح اور ظاہر ہے۔

[1] بحر الرائق ج ۷، ص ۲۹۷۔ [2] ہدایہ ج ۳ کتاب الاجارہ۔

دلیل ۲ : عن ابی هریرة (رضی الله تعالی عنه) عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لیاتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربوا فان لم یاکله اصابه من بخاره ویروی من غباره[1] رواه احمد والنسائی وابن ماجه۔

اس حدیث میں نبی علیہ السلام نے پیشینگوئی کی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں سود اتنا عام ہو جائے گا کہ ہر شخص کھائے گا۔ اگر کوئی کھانے سے بچ بھی جائے لیکن اس کے غبار اور اثر کے پہنچنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

ظاہر ہے کہ سود صرفی اتنا عام نہیں ہوتا۔ خاص کر آجکل تو صرفی سود تجارتی سود کے اعتبار سے کالعدوم ہے لہٰذا اس سے مراد بھی تجارتی سود ہی ہو سکتا ہے۔ جس کا عام ہونا ظاہر اور واضح ہے۔

دلیل ۳ : فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر مضاربت میں رب المال اپنے لئے کچھ نفع متعین کرے تو مضاربت فاسد ہو جاتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ رب المال کا روپیہ ہوتا ہے اور مضارب کی محنت ہوتی ہے اس لئے نفع میں دونوں شریک ہوں گے اب اگر رب المال اپنے لئے نفع متعین کر لے تو حاصل شدہ نفع وہ یقینی طور پر حاصل کرے گا۔ باقی مضارب کا نفع یقینی نہیں بلکہ محتمل رہتا ہے۔ اس لئے شریعت نے رب المال کی شرط کو ناجائز قرار دے کر نفع کو مشترک رکھا ہے۔ من شرطها ان یکون الربح بینهما مشاعا لا یستحق احدهما دراهم مسماة من الربح[2]۔

مضاربت فاسدہ کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا بنکوں کی موجودہ تجارت بھی ناجائز ہوگی کیونکہ اس میں بعینہٖ مضاربت فاسدہ کی صورت پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ رب المال پہلے ہی اپنے لئے مناسب شرح پر سود نفع متعین کر لیتا ہے اس طرح سے اس کو نفع یقینی حاصل ہو جاتا ہے لیکن سود دینے والے کا نفع محتمل رہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بنکوں کی تجارت مضاربت فاسدہ کی طرح ہے لہٰذا موجودہ تجارتی بنکوں کا

[1] مشکوٰۃ باب الربوا ص ۲۴۵، [2] ہدایہ ج ۳ کتاب المضاربت۔

آپ کے سوال

مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب

(۱) رکعات تراویح کے بارے میں احادیث سے بیس رکعات ثابت ہیں یا نہیں۔

(۲) دفن کرنے کے بعد فوراً قبر پر سورۂ بقرہ کا رکوع اول اور اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ سے آخر سورت تک پڑھنے کی روایت حدیث میں ہے یا نہیں، اس طرح پڑھنا فرض ہے یا سنت؟

(۳) فاتحہ مسنونہ کس کو کہتے ہیں؟ کن کن اوقات میں اور کن کن جگہوں پر پڑھنے کا حکم ہے؟

(۴) "البلاغ" ماہ رجب صفحہ ۵۴ پر آپ نے شہداء کی سات اقسام تحریر کی ہیں براہ کرم وضاحت فرمائیں کہ بس، ٹرک، رکشا، سائیکل وغیرہ سے اچانک دب کر مرنے والا بھی شہید ہے یا نہیں؟

(۵) کیا روحیں ہر جمعرات کو گھروں پر آتی ہیں؟

(۶) تاش کا کھیل ازروئے قرآن و حدیث اور فقہ کیسا ہے جبکہ تاش کے پتوں پر تصویریں وغیرہ چھپی ہوئی نہ ہوں۔ نماز قضا ہونے کا ڈر بھی نہ ہو۔

(۷) من لا یحضرہ الفقیہ صفحہ ۴۱ سطر ۱۷ میں کالا کپڑا منع ہے کیا کالا کپڑا پہننا جائز نہیں؟

(ڈاکٹر ایس ایم صدیق سندیلوی)

اشرفیہ ہومیو فارمیسی سکھر

جواب واللہ الموفق للصواب

(۱) تراویح کی رکعات کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ الرای النجیح اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی کتاب

> سوال علمی فقہی ہونا چاہئے، صاف خوشخط لکھیں جواب کے لئے لفافہ یا کارڈ بھی ہمراہ رکھیں تاکہ اگر کسی وجہ سے البلاغ میں شائع نہ ہو سکے یا خبر آنے میں دیر ہو تو جواب ڈاک سے ارسال ہو سکے۔

رکعات التراویح دیکھئے، ان کے علاوہ بھی دیگر رسائل و کتب میں اس موضوع پر کافی لکھا جا چکا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ماہ کبھی بھی نماز تراویح نہیں پڑھی اور نہ پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرنا آپ سے ثابت ہے۔ تراویح کا طریقہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے لیا گیا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں رائج کیا تھا حضرات صحابہ اور ان کے بعد تابعین کتنی رکعات پڑھتے تھے اس میں روایات مختلف ہیں جن میں بیس ہی نہیں اس سے زیادہ کی روایت بھی ملتی ہے چاروں مذاہب میں سے کسی کا مذہب بھی بیس سے کم تراویح پڑھنے کا نہیں ہے۔ حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ کے مذہب میں بیس رکعت نماز تراویح پڑھنی چاہئے اور امام مالک سے دو روایتیں منقول ہیں اول ۳۶ رکعات دوم ۲۰ رکعات، جو حضرات تقلید کے مخالف ہیں اور فقہ اور فقہاء کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ان کے سب سے پہلے امام داؤد ظاہری بھی بیس رکعات کے قائل تھے یہ تیسری صدی ہجری کے بزرگ تھے، مذاہب کی یہ تفصیل ابن رشد مالکی نے بدایۃ المجتہد ص ۲۰۲ ج ۱ پر لکھی ہے اس کے بعد اس اختلاف کا ایک باعث لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وسبب اختلافهم اختلاف النقل فی ذلك وذلك ان مالكا روی عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون فی زمان عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة واخرج ابن ابی شيبة عن داود بن قيس قال ادركت الناس بالمدينة فی زمان عمر بن عبد العزيز وابان بن عثمان يصلون ستا وثلثين ركعة ويوترون بثلاث اھ يعنی يزيد بن رومان نقل کرتے ہیں کہ حضرت

(عمر) کے زمانہ میں بیس لوگ رکعت تراویح پڑھتے تھے اور
(دا)ؤد بن قیس کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اور ابان بن عثمان
(کے) زمانہ میں مدینہ منورہ کے حضرات ۳۶ رکعات تراویح اور تین
(رک)عت وتر پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ خلفائے راشدین میں سے
(ہ)یں جن کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ علیکم بسنتی وسنۃ
(ال)خلفاء الراشدین المھدیین - ان کا جاری کردہ طریقہ
(ح)دیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے اس اعتبار سے کہ ان کے اتباع
(کا) حکم دیا گیا ہے۔

(۲) میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے سرہانے سورۂ
بقرہ کا ابتدائی حصہ اور پائنتی کی جانب اس کا آخری حصہ پڑھنا
(ب)یہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)

(۳) فاتحہ سورۃ الحمد شریف کے ناموں میں سے ایک نام
ہے اور اس سورت کے پڑھنے کا بڑا ثواب ہے جب نماز میں پڑھنا وا(جب)
ہے، عام طور پر ایصال ثواب کے لئے کچھ پڑھنے کو فاتحہ پڑھنا
کہتے ہیں اور اس میں لوگوں نے مخصوص سورتوں اور مخصوص اوقات
کی بہت سی پابندیاں لگا لی ہیں جن کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔
اپنی تراشیدہ قید اور شرط اور طریقہ کو علیحدہ کر کے جہاں سے
چاہیں قرآن شریف پڑھ کر جب چاہیں ایصال ثواب کر دیں مزید
تفصیل کے لئے اصلاح الرسوم مؤلفہ مولانا اشرف علی صاحب
تھانوی قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

(۴) احادیث شریفہ میں تحت الھدم مرنے والے کو
شہید بتایا ہے۔ ھدم عربی میں عمارت کے ڈھے جانے کو
کہتے ہیں۔ دیوار، چھت کے نیچے دب جانے سے شہید ہوگا، بس
وغیرہ کے اکسیڈنٹ سے فوت ہو جانے پر شہادت کا درجہ ملنے کی
کوئی تصریح نہیں دیکھی یوں اللہ تعالٰی کو سب کچھ اختیار ہے جسے
جس دولت سے نواز دے۔

(۵) اس کا کوئی ثبوت شریعت سے نہیں۔

(۶) یہ بھی ایک لہو ولعب ہے اس سے بچنا چاہئے

(۷) کالا کپڑا پہننا جائز ہے۔ مسلم ابوداؤد اور ترمذی
کی روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کالی چادر استعمال
کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ سوال میں جس کتاب کا ذکر ہے وہ تو
سامنے نہیں معلوم نہیں کس ذیل میں لکھا ہوگا، ممکن ہے بطور غم
سیاہ لباس پہننے کو منع کیا ہو جیسے بعض لوگ ماہ محرم میں پہنتے
ہیں اگر ایسا ہو تو ٹھیک لکھا ہے۔

سوال

عبدالحئی ڈسکہ ضلع سیالکوٹ۔

خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں کیا
اپریشن کرنے کا کوئی جواز کسی صورت میں ممکن ہے؟
خاندانی منصوبہ بندی کے حامی کہتے ہیں کہ
ہم بچوں کی پیدائش و افزائش نسل پر بالکل پابندی
عائد نہیں کرتے بلکہ بچوں کی شرح پیدائش کے
درمیان طویل وقفے دینا چاہتے ہیں آیا یہ درست ہے؟

الجواب: شریعت مطہرہ میں افزائش نسل کی ترغیب
دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں زن و شوہر کے ملاپ کا ذکر فرماتے ہوئے
وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ فرمایا ہے، جس میں طلب
ولد کی ہدایت ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم
الامم (ابوداؤد ونسائی)

ایسی عورتوں سے نکاح کرو جن سے دل لگے
اور جن سے اولاد زیادہ پیدا ہو کیونکہ میں (قیامت
کے دن) تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے
مقابلہ میں فخر کروں۔

لہذا خاندانی منصوبہ بندی کے رائج کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں
اس کے جتنے فوائد بتائے جاتے ہیں غیروں کے سجھائے ہوئے ہیں جن کا
شرعاً کوئی وزن نہیں، درحقیقت یہ عیسائیوں کی جاری کردہ سیاسی
اسکیم ہے، دوسروں کی اکثریت کم کرنے کے لئے یہ حربہ انہوں نے اختیار
کیا ہے اس سلسلہ میں دو باتیں زیادہ اہمیت سے ذکر کی جاتی ہیں ایک
یہ کہ نسل زیادہ ہوگی تو آئندہ کہاں سے کھائیں گے، یہ لوگ سمجھتے ہیں

ر حکومتیں رازق ہیں، حالانکہ جو رازق مطلق ہے وہ سب کو دے گا، بجائے نسل کم کرنے کے زمینیں آباد کرنے پر رقم لگائیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ احکام خداوندیہ پر چلیں تاکہ آسمان وزمین کی برکتیں کھل جائیں۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط

(اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے)

عرب کے مشرک اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دیتے تھے کہ کہاں سے کھلائیں گے۔ قرآن شریف میں جواب دیا کہ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (یعنی ہم تمہیں اور انھیں رزق دیں گے۔) طریق کا فرق ہے نظریہ ہی پایا جاتا ہے قدیم زمانہ کے مشرک خوراک کے خوف سے پیدا ہونے کے بعد قتل کر دیتے تھے اور دور حاضر کے ملحد پیدائش ہی کو روکتے ہیں، دوسرا عذر لنگ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ پیدائش میں وقفہ طویل نہ ہونے سے صحتمند بچے پیدا نہ ہوں گے، یہ سراسر خلاف تجربہ ہے، بچوں کی اچھی بری صحت کا تعلق ماں کے دودھ پر اور علاقائی آب وہوا سے متعلق ہے، جن ماؤں کا دودھ اچھا ہوتا ہے ان کا ہر بچہ خواہ ایک سال کے فصل سے پیدائش ہو موٹا تازہ ہوتا ہے، دیہاتی بچے عموماً تندرست ہوتے ہیں اور شہر کے بچے عموماً ان کے مقابلہ کے نہیں ہوتے، بہت سے لوگوں کے ایک ہی بچہ ہوتا ہے مگر سوکھا ہوا، اور بعض لوگ کثیر الاولاد ہیں اور ہر بچہ کڑیل جوان ہوتا ہے، درحقیقت مخالفین کا منہ اور قلم بند کرنے اور عوام کو پھسلانے کے لئے یہ بہانے سوچے گئے ہیں۔ جو لوگ آئندہ نسلوں کی کثرت ہو جانے سے اس لئے خوف زدہ ہیں کہ زمین کم پڑ جائے گی کہاں رہیں گے اور کہاں سے کھائیں گے وہی لوگ بڑے مہلک ہتھیار بھی جمع کر رہے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ روس اور امریکہ لڑ پڑے تو آدھی دنیا یوں ہی ختم ہو جائے گی، اس وقت آباد کرنے کو آدمی تلاش کرنے پڑیں گے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین بیچ اس مسئلہ کے کہ حافظ قرآن ڈاڑھی منڈا جیسا کہ ویسٹ پاکستان میں دستور ہے کہ ماہ شعبان میں ڈاڑھی کے خطے لیتا ہو اور رمضان شریف میں نماز تراویح پڑھاتا ہے ایسے حافظ اور امام کی اقتداء میں نماز جائز ہو یا کہ نہیں۔ والسلام

خیر اندیش بندہ حیدر زماں ہزاروی

الجواب: جو شخص واقعی طور پر شعبان میں توبہ کرکے ڈاڑھی رکھ لے اور آئندہ منڈوانے کتروانے سے بچنے کا عہد کرے اس کی اقتداء میں نماز تراویح جائز ہو مگر جو صرف ایک مہینہ کے لئے حیلہ بنائے اسکی اقتداء سخت پرہیز لازم ہو ایسے شخص کے پیچھے قرآن سننے سے بہتر ہے کہ کسی نیک پابند شرع آدمی کے پیچھے الم ترکیف سے تراویح پڑھ لی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نقد و تبصرہ

تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے!

جامعہ فلسطین نمبر

مدیر: ممتاز لیاقت
پتہ: جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ

کاغذ، کتابت و طباعت متوسط تقطیع ۲۶×۲۰ صفحات ۲۴۸
قیمت تین روپے۔

ماہنامہ الجامعہ کا ایک خاص نمبر ہے جو اکتوبر ۱۹۶۷ء میں منظر عام پر آیا ہے، اس نمبر میں عرب اسرائیل جنگ کے مختلف گوشوں پر قابل قدر مضامین شامل ہیں۔ یہودیوں کی اصلیت، دنیا کی یہودی آبادی، قضیہ فلسطین (۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۷ء تک) وغیرہ بڑے معلومات آفریں مقالے ہیں، اس کے علاوہ اسرائیل کی حقیقت اور عربوں کی شکست کے اسباب و علل پر مشاہیر اہل قلم کے مضامین اور جنگ کے حالات کی اخباری رپورٹیں بھی شامل ہیں۔

منظومات میں جناب احسان دانش کی نظم خاص طور سے بڑی اثر انگیز ہے۔

یہ نمبر اپنے موضوع پر ایک کامیاب پیش کش ہے جس کیلئے الجامعہ کا ادارہ مبارکباد کا مستحق ہے۔ (م۔ت۔ع)

تبلیغی کام

مرتبہ نامعلوم الاسم ناشر: کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ جامع مسجد دہلی ۶

کتابت و طباعت عمدہ کاغذ سفید تقطیع ۳۰×۲۰ صفحات ۲۰
قیمت ۵۰ پیسے، مجلد ایک روپیہ پچیس پیسے، اس مختصر رسالہ میں تبلیغی جماعت کے مشہور چھ اصول (چھ نمبر) کی وضاحت کی گئی ہے
مرتب کے خلوص کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنا نام

ظاہر کرنا پسند نہیں کیا، تبلیغی جماعت بلاشبہ دین کی قابل قدر خدمت انجام دے رہی ہے، البتہ اس جماعت کے بعض نو آموز اور غیر تربیت یافتہ حضرات اپنی ناواقفیت کے سبب حقوق العباد میں بڑی کوتاہیاں کرتے ہیں۔ اگر اس قابل قدر جماعت کے ذمہ دار حضرات ان چھ نمبروں میں ایک "حقوق العباد" کا اضافہ بھی کر دیں اور اس کی تشریح و تبلیغ بھی اسی اہمیت کے ساتھ فرمائیں تو توقع ہے کہ انشاء اللہ اس سے بہت سے فتنوں کا سد باب ہو سکے گا، اور جماعت کا کام زیادہ مفید مؤثر اور بے ضرر ہو جائے گا۔ یہ ہماری نہایت عاجزانہ گذارش ہے، امید ہے کہ جماعت کے معزز ارباب حل و عقد اس پر اہمیت کے ساتھ غور فرمائیں گے۔

انتخاب نزول قرآن

مدیر: حافظ بشیر احمد غازی آبادی
پتہ: ہفت روزہ انتخاب لیاقت آباد کراچی ۱۹

کتابت، طباعت، کاغذ متوسط تقطیع ۳۰×۲۰ صفحات
قیمت درج نہیں، اس خاص نمبر میں قرآن کریم کے مختلف گوشوں پر مضامین جمع کئے گئے ہیں جو عوام کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔

مولانا رحمت علی خاں سامی رح

مولفہ محمد نصر اللہ خاں صاحب
پتہ: ناظم توگانڈا اسلامک پبلک کمیشنز، گنجاہ روڈ گجرات مغربی پاکستان۔ کتابت، طباعت کاغذ معمولی۔ تقطیع ۳۰×۲۰ صفحات ۳۰ قیمت درج نہیں۔

یہ ضلع گجرات کی ایک گمنام علمی شخصیت مولانا رحمت علی خاں صاحب سامی رح کی مختصر سوانح حیات ہے جس میں ان کے نجی تذکرے کے علاوہ

...کی علمی و دینی خدمات اور تصانیف کا بھی مفصل تعارف
...ا گیا ہے (م - ت ع)

قصیدۂ نعتیہ جن | از عمرو الجنی مع شرح عربی و ترجمہ اردو | از مولانا رحمت علی خاں سامی گجراتی

...وم - ناشر: مکتبۂ ظفر ناشر قرآنی قطعات، گجرات
...ربی پاکستان۔ کتابت و طباعت معیاری عکسی۔ کاغذ عمدہ
...فحات ۸۰ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

عربی زبان کا یہ نعتیہ قصیدہ عمرو نامی ایک جن کی طرف منسوب
...ے جو مولانا رحمت علی خاں سامی" کو مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی رح
...حوالے سے ملا تھا، ان کے پاس یہ قصیدہ کہاں سے آیا؟ اس کا
...علم نہیں، تاریخی سند کے لحاظ سے تو وثوق کے ساتھ یہ بات نہیں
...جا سکتی کہ یہ قصیدہ واقعۃً کسی جن کا ہے یا نہیں، لیکن اس کے
...درج ذیل اشعار سے جنیّت ہی کی بُو آتی ہے ؎

...دُ وافسبوا ذہنی فہمُ — بصنا بعہم ورمُ حوبُ
...طٌ غلطٌ نکطٌ کرطٌ — بدٌ دجدٌ دخدٌ طلبُ
...لٌ وجلٌ ملٌّ فلٌّ — علٌّ حلٌّ نحلٌ نعبُ
...طٌ عطٌ حطٌ مطٌ — قرطٌ نحطٌ قنطٌ ھربُ
...صٌ خصصٌ غصصٌ نصصٌ — نصصٌ دلصٌ نکصٌ قطبُ

پورا قصیدہ اسی انداز کا ہے اور غالباً شاعر کے پیش نظر
...ت رہی ہے کہ "فُعُلٌ" کے وزن پر آنے والی کوئی جمع اس
...صیدہ سے چھوٹنے نہ پائے، یہاں تک کہ اس میں ایک شعر یہ بھی ہے

بُعُعٌ کُعُعٌ دُعُعٌ صُمُعٌ
قُطُعٌ کُمُعٌ طُمُعٌ اُلُبٌ (ص۵۰)

...س کے بارے میں ہمیں توقع نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے حلق کو
...س سے سلامت رکھتے ہوئے اسے پڑھ سکے گا، نعت کے
...عار تو آخر میں چند ہی ہیں، باقی پورا قصیدہ اس کی تمہید
... بہر حال قصیدہ دلچسپ ہے، اور مولانا رحمت علی خاں
...احب سامی نے اس کی مفصل عربی شرح، لغت کی تحقیق
...ردو ترجمہ کر کے قارئین کے لئے نامانوس اور پُر تعقید

الفاظ کو سمجھنا آسان بنا دیا ہے۔ (م - ت - ع)

زبدۃ الاصول | تالیف مولانا حمید اللہ خاں صاحب | ناشر: شعبۂ تصنیف دار العلوم الاسلا...
لکی مروت ضلع بنوں مغربی پاکستان۔
کتابت و طباعت معمولی، سائز ۲۰×۲۶/۱۶ صفحات ۴۸
قیمت درج نہیں۔

یہ اصول فقہ پر ایک مختصر رسالہ ہے جس میں اس علم کی اصطلاحات اور اس کے بنیادی مسائل اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس بات کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جا رہی ہے کہ دینی مدارس میں اصول الشاشی سے پہلے اصولِ فقہ کا کوئی آسان رسالہ پڑھایا جائے۔ غالباً یہ رسالہ اسی جذبہ کے تحت لکھا گیا ہے۔ فاضل مؤلف نے اس میں مسائل تو اختصار کے ساتھ جمع کر دیئے ہیں، لیکن ہماری رائے میں جن طلبا کو یہ پڑھایا جائے گا، ان کی ذہنی سطح کو اس میں پیش نظر نہیں رکھا گیا، ضرورت اس بات کی تھی کہ اس میں تعریفات آسان اور مثالیں زیادہ سے زیادہ ہوں، لیکن اس رسالہ میں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی طرف توجہ نہیں دی گئی، اگر فاضل مؤلف اس رسالے پر اس حیثیت سے نظر ثانی فرما کر اسے دوبارہ مرتب فرما دیں تو یہ بڑا کام ہو گا۔ (م - ت - ع)

(بقیہ "افکار قارئین")

اللہ کریم آپ کے قلم کو ہمیشہ ہمیشہ اسلام کی طرف سے دفاعی خدمات میں صرف کرے، اگر مذکورہ اداریہ کو کتابچہ کی شکل میں شائع کر کے صرف لاگت کی قیمت پر عام کیا جائے تو یہ آپ کے لئے باعث صد ثواب اور عوام کے لئے باعثِ صد فائدہ ہو گا"

ابو القلم محمد سعد درانی
ڈیرہ اسماعیل خاں

"البلاغ" کی تعریف و توصیف اور ہماری حوصلہ افزائی کے جو خطوط روزانہ ہمیں موصول ہوتے ہیں ان کی اشاعت کا سلسلہ ہم نے اس لئے جاری نہیں کیا کہ ہم اسے قارئین کا حسن ظن سمجھتے ہیں، ورنہ یہ حقیقت ہے کہ ابھی تک ہم "البلاغ" کو اپنی امنگوں کے مطابق نہیں بنا سکے، دعا فرمایئے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ لیکن گذشتہ پانچ ماہ سے "البلاغ" کے اداریئے میں "تجدد" کے افکار سے متعلق جو گذارشات پیش کی جارہی ہیں، ان کے بارے میں ہمیں بیشمار خطوط موصول ہوئے، ان میں سے چند ذیل میں اس لئے پیش کئے جارہے ہیں تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ مسلمان اہل فکر اور عوام "البلاغ" کے نقطۂ نظر کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں ——— ادارہ

"البلاغ" برابر پہنچتا رہتا ہے، ماشاء اللہ و بارک اللہ رد تجدد کے سلسلے میں بہت کوششیں آپ کے ملک میں ہو رہی ہیں..... لیکن جتنی سنجیدہ، پُرمغز، متین و محکم اور ساتھ ہی مہذب و شائستہ البلاغ کی تحریریں ہوتی ہیں وہ اس کا مخصوص حصہ ہیں ——— ایک ہلکی سی فروگذاشت عرض کردینے کے قابل ہے حضرت مسیحؑ کے سلسلے میں بار بار جو "پھانسی" کا لفظ آپ کے ہاں آتا ہے، اس کے بجائے "سولی" ہونا چاہئے۔ دونوں کے درمیان فرق عظیم ہے، رومی قانون میں رواج صرف سولی کا تھا۔ والسلام

(مولانا) عبدالماجد (صاحب دریا بادی مدیر صدق جدید لکھنؤ)

یوں تو ماہنامہ البلاغ کا ہر پرچہ صوری و معنوی اعتبار سے لائق مطالعہ اور قابل تحسین ہوتا ہے، نیز آپ کے اداریئے حد درجہ فکر انگیز ہوتے ہیں، لیکن شعبان ۸۶؁ کے شمارے میں آپ کا اداریہ جو ادارۂ تحقیقات اسلامی کے بارے میں سپرد قلم فرمایا گیا ہے۔ اس کو پڑھ کر بے ساختہ آپ کے لئے دل سے دعا نکلی ——— اس انتہائی کامیاب تحریر پر مبارکباد قبول فرمایئے۔ چہ کند بے نوا ہمیں دارد۔

مخلص سید الطاف علی بریلوی، مدیر العلم کراچی

"البلاغ کا تازہ شمارہ افطار کے بعد ایک "تیسری فرحت" لیکر آیا، اور آپ کے اداریہ "نئی تعبیر" نے اس فرحت میں مزید اضافہ کیا، جس سنجیدہ اور متین انداز میں آپ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، امید ہے کہ اس سے بڑا فائدہ پہنچیگا"

(مولانا) سمیع الحق (صاحب) مدیر الحق اکوڑہ خٹک

"البلاغ باقاعدگی سے قمری مہینے کے ہر پہلے ہفتہ میں مل رہا ہے، شکریہ! حالیہ شمارہ خوب سے خوب ترین ہے آپ کے لکھے ہوئے اداریہ کا کیا کہنا! بے اختیار دل سے مرحبا آفریں کی صدائیں نکلیں بس اور کیا عرض کروں اللہ کرے زور قلم

(بقیہ بر صفحہ ۴۳)

پبلشر: مفتی محمد شفیع دفتر البلاغ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴